محافلِ میلاد میں بیان کی جانے والی حدیثِ نُور اور حدیثِ نفیِ سایہ
اپنی صحیح سندوں کے ساتھ منظرِ عام پر جگمگانے لگیں



مُصنَّف عبدالرزّاق

کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب

تحقیق و تقدیم
ڈاکٹر عیسیٰ ابن عبداللہ ابن مانع حمیری
سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف و امورِ اسلامیہ دبئی

ترجمہ و تقدیم
شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

از جلیل القدر حافظ الحدیث امام
ابو بکر عبدالرزاق
بن ہمام صنعانی یمنی
ولادت ۱۲۶ھ، وفات ۲۱۱ھ

مکتبہ قادریہ ۰ لاہور

ملت اسلامیہ کے لیے روح پرور اور نشاط انگیز ارمغان

محافلِ میلاد میں بیان کی جانے والی حدیثِ نور اور حدیثِ نفی سایہ اپنی صحیح سندوں کے ساتھ

منظر عام پر جگمگانے لگیں

مُصنّف عبدالرزاق

کی پہلی جلد کے دس گم گشتہ ابواب

از: جلیل القدر حافظ الحدیث امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی یمنی

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد امام احمد بن حنبل کے استاذ

امام بخاری اور مسلم کے استاذ الاستاذ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

(ولادت ۱۲۶ھ...... وفات ۲۱۱ھ)

تحقیق و تقدیم

ڈاکٹر عیسیٰ ابن عبداللہ ابن مانع حِمیری مدظلہ العالی

سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف و امور اسلامیہ، دبئی

پرنسپل امام مالک کالج برائے شریعت وقانون، دبئی

تقریظ

محدث جلیل ڈاکٹر محمود سعید ممدوح مصری شافعی مدظلہ العالی (دبئی)

ترجمہ و تقدیم

شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

مکتبہ قادریہ، لاہور

نام کتاب .... مصنّف عبدالرزاق کے دس گم گشتہ ابواب

تصنیف .... امام عبدالرزاق صنعانی یمنی رحمہ اللہ تعالیٰ

تقدیم وتحقیق .... ڈاکٹر عیسیٰ مانع حمیری مدظلہ العالی سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف، دبئی

تقریظ .... ڈاکٹر محمود سعید ممدوح مدظلہ العالی، دبئی

ترجمہ وپیش لفظ .... شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، لاہور

پروف ریڈنگ .... محمد ریاض الدین اشرفی

باہتمام .... حافظ نثار احمد قادری

اشاعت .... ذوالحجہ 1426ھ 2006ء

ہدیہ .... 120 روپے

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ۔ لاہور: 7226193

مکتبہ اہل سنت، جامعہ نظامیہ رضویہ۔ لاہور

کاروان اسلام پبلی کیشنز، جامعہ اسلامیہ ایچی سن ہاؤسنگ سوسائٹی۔ لاہور

فہرست

نور کی جھلکیاں

فرمانِ الٰہی جَلَّ جَلَالُہٗ:



قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ. (المائدۃ ۵/۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور جلوہ گر ہوا اور روشن کتاب۔

ارشادِ ربانی جل جلالہ:



یا اَیُّها النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیْرًا وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا.

(سورۃ الاحزاب ۳۳/۴۶)

اے (غیب کی خبریں دینے والے) نبی بے شک ہم نے آپ کو (احوال امت) کا مشاہدہ کرنے والا، خوشخبری دینے والا، ڈر سنانے والا، اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور منور کرنے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔

ارشادِ ربانی جل جلالہٗ:



اللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ.

(سورۂ نور ۲۴/۳۶)

شمع دل مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

(امام احمد رضا بریلوی)

خدائی فیصلہ:



يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ
وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ.

(الصّف۶۱/۸)

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(اقبال)

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:



حدیثِ نور

۱۸. عبدالرزاق عن معمر عن ابن المنکدر عن جابر قال: سألتُ رسولَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَهُ اللّٰه تعالٰی؟ فَقَالَ: هُوَ نُوْرُ نَبِیِّکَ یَا جَابِرُ ثُمَّ خَلَقَ فِیْهِ کُلَّ خَیْرٍ، وَخَلَقَ بَعْدَهٗ کُلَّ شَیْءٍ. (۱)

امام عبدالرزاق، معمر سے، وہ ابن منکدر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ تو آپ نے فرمایا: جابر! وہ تیرے نبی کا نور تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر خیر اور بھلائی کو پیدا کیا اور اس کے بعد ہر شے کو پیدا کیا۔

---

(۱) ۔مصنف عبدالرزاق کے دس گم گشتہ ابواب، بنام ''الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف'' (طبع بیروت ولاہور) ص ۶۳۔

نوٹ: ڈاکٹر عیسیٰ مانع (دبئی) نے فرمایا: کہ یہ حدیث صحیح ہے، دیکھئے الجزء المفقود ص ۷۔

ارشادِ صحابی رضی اللہ عنہ:



حدیث نفی سایہ

۴۔عبدالرزاق عن ابن جُرَیْجٍ قَالَ: اَخْبَرَنِیْ نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قال: لَمْ یَکُنْ لِرَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم ظِلٌّ وَّلَمْ یَقُمْ مَعَ شَمْسٍ قَطُّ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُہٗ ضَوْءَ الشَّمْسِ وَلَمْ یَقُمْ مَعَ سِرَاجٍ قَطُّ اِلَّا غَلَبَ ضَوْءُہٗ ضَوْءَ السِّرَاجِ.(۱)

امام عبدالرزاق، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: مجھے نافع نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہیں تھا، آپ کبھی سورج کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے مگر آپ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب ہوتی تھی اور آپ کبھی چراغ کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے مگر آپ کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب ہوتی۔

(۱)۔الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف، از امام عبدالرزاق (طبع بیروت ولاہور)، ص ۵۶۔

نوٹ: ڈاکٹر عیسیٰ مانع سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف واسلامی امور، دبئی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ:

باعثِ تخلیق دو جہاں

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ
کَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَا
اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُّوْرِکَ الْبَدْرُ اکْتَسٰی
وَالشَّمْسُ مُشْرِقَۃٌ بِنُوْرِ بَھَاکَا

- آپ وہ ہستی ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی انسان پیدا نہ کیا جاتا، بلکہ آپ نہ ہوتے تو مخلوق ہی پیدا نہ کی جاتی۔
- آپ کی ذاتِ اقدس وہ ہے جس سے چودھویں کے چاند نے نور کی بھیک مانگی اور سورج آپ کے نور کی بدولت منور رہوا۔

(۱)۔ نعمان بن ثابت ابو حنیفہ، امام اعظم: شرح قصیدہ نعمان (درضمن انوار امام اعظم۔ از مولانا محمد منشا تابش قصوری ص ۱۰۵۔۱۰۴)

شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ:

(متوفی ۶۹۱ھ)

ہمہ نورہا پرتو نور اوست

کلیمے کہ چرخ فلک طور اوست	ہمہ نورہا پرتو نور اوست
تو اصل وجود آمدی از نخست	دگر ہر چہ موجود شد فرع تست
ندانم کدامیں سخن گویمت	کہ والا تری زانچہ من گویمت

چہ وصفت کند سعدی ناتمام

علیک الصلاۃ اے نبی والسلام

- آپ وہ کلیم ہیں، جس کا طور عرش مجید ہے، تمام نور آپ کے نور کے عکس ہیں۔
- آپ ابتدا ہی سے وجود ممکنات کی جڑ ہیں، آپ کے علاوہ جو بھی موجود ہوا وہ آپ ہی کی شاخ ہے۔
- حضور! آپ کی نعت کہنے کے لئے میرے علمی ذخیرے میں الفاظ نہیں ہیں، میں جو کچھ بھی کہوں وہ نیچے رہ جائے گا اور آپ کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہے۔
- یارسول اللہ! آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، سعدی بے چارہ آپ کی نعت کیا بیان کرسکتا ہے؟

---

(۱)۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی: بوستان مترجم (مکتبہ رحمانیہ، لاہور) ص ۱۱-۹)

امام علامہ محمد بن سعید بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ:

(متوفی ۶۹۴ھ)

اَنْتَ مِصْبَاحُ کُلِّ فَضْلٍ

کَیْفَ تَرْقٰی رُقِیَّکَ الْاَنْبِیَاءُ	یَا سَمَاءً مَا طَاوَلَتْهَا سَمَاءُ
لَمْ یُسَاوُوْکَ فِیْ عُلَاکَ وَقَدْ حَا	لَ سَنًی مِّنْکَ دُوْنَهُمْ وَسَنَاءُ
اِنَّمَا مَثَّلُوْا صِفَاتِکَ لِلنَّا	سِ کَمَا مَثَّلَ النُّجُوْمَ الْمَاءُ
اَنْتَ مِصْبَاحُ کُلِّ فَضْلٍ فَمَا تَصْه	دُرُ اِلَّا عَنْ ضَوْئِکَ الْاَضْوَاءُ (۱)

- اے وہ آسمان جس کا مقابلہ کوئی آسمان نہیں کر سکتا، انبیاء کرام آپ جیسی ترقی کیسے کر سکتے ہیں؟
- وہ فضیلت و شرافت میں آپ کے برابر نہیں ہیں، جبکہ آپ کی روشنی اور رفعت ان کے سامنے حائل ہے۔
- جس طرح پانی ستاروں کی جھلک دکھاتا ہے، اسی طرح انبیاء کرام نے لوگوں کو آپ کی صفات کی جھلک دکھائی ہے۔
- آپ ہر فضیلت کے آفتاب ہیں، تمام روشنیاں آپ ہی کے نور سے پھوٹتی ہیں۔

(۱) امام بوصیری: شرح ہمزیہ از علامہ محمد شلبی ص ۴

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ:

ظہور اول وحقیقۃ الحقائق

حقیقت محمدی علیه من الصلوات أفضلها ومن التسلیمات أکملُها کہ ظہورِ اول است وحقیقۃ الحقائق است، بآں معنی کہ حقائقِ دیگر چہ حقائق انبیاء کرام وچہ حقائقِ ملائکہ عظام علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام کالظلال اند مراورا واو اصل حقائق است، قال علیه وعلی آله الصلاۃ والسلام اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِیْ و قَالَ عَلَيْهِ الصلاۃ والسلام خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ والمؤمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِی، پس ناچار واسطہ بود درمیان سائرِ حقائق ودرمیانِ حق جلّ وعلا، ووصول بمطلوب احدے را بے توسطِ او علیه و علیٰ آله الصلاۃ والسلام محال باشد، فَهُوَ نَبِیُّ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وارسالُهٗ رحمةٌ لِّلْعَالَمِیْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصلوات والتَّسْلِیْمَاتُ، ازینجاست کہ انبیاء اولوالعزم باوجود اصالت، تبعیتِ اُوی خواہندو بآرزو داخلِ اُمّتانِ او میگردند کما ورد، علیه وعلیهم الصلوات والتسلیمات. (۱)

حقیقت محمدیہ علیہ افضل الصلوات والتسلیمات ظہور اول ہے اور بایں معنی حقیقۃ الحقائق ہے کہ دوسری حقیقتیں خواہ وہ انبیاء کرام کی ہوں یا فرشتوں کی، آپ کے سایوں کی طرح ہیں، اور آپ حقائق کی اصل ہیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ہمارا نور پیدا فرمایا، اور یہ بھی فرمایا کہ ہمیں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا اور مومن ہمارے نور سے پیدا کیے گئے، لہٰذا لازمی بات ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور تمام حقائق کے درمیان واسطہ ہیں اور آپ کے واسطے کے بغیر کسی کا مطلوب تک پہنچنا محال ہے، اس لیے آپ نبی الانبیاء والمرسلین ہیں اور آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام، اسی لیے اولوالعزم انبیاء نبی ہونے کے باوجود آپ کے تابع ہونے کے خواہاں تھے اور آپ کی امت میں داخل ہونے کی آرزو رکھتے تھے۔

---

(۱)۔ احمد سرہندی، امام ربانی مجدد الف ثانی: مکتوبات فارسی دفتر سوم حصہ نہم ص ۱۵۳۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا

ہر چند بدقتِ نظر صحیفۂ ممکنات عالَم را مطالعہ نمودہ می آید، وجود آں سرور دراں جا مشہود نمی گردد، بلکہ منشأ خلقت وامکانِ او علیہ وعلی آلہ الصلاۃُ والسلام وجود صفاتِ اضافیہ وامکانِ شاں محسوس می گردد وچوں وجودِ آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلاۃ والسلام در عالم ممکنات نباشد، بلکہ فوق ایں عالم باشد، ناچار او را سایہ نبود ونیز در عالم شہادت سایۂ شخص از شخص لطیف تر است وچوں لطیف ترے از وے در عالم نباشد، او را سایہ چہ صورت دارد؟ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات. (۱)

صحیفۂ کائنات کو جتنی بھی گہری نظر سے دیکھا جاتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اس میں دکھائی نہیں دیتا، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خِلقت اور امکان کا منشا اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اضافیہ کا وجود اور ان کا امکان محسوس ہوتا ہے، چونکہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود عالم ممکنات میں نہیں، بلکہ اس کے اوپر ہے، اس لیے آپ کا سایہ ہرگز نہیں ہوگا، نیز عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لطیف پوری کائنات میں کوئی نہیں ہے، لہٰذا آپ کا سایہ کس طرح ہوسکتا ہے؟

(۱)۔ احمد سرہندی، امام ربانی: مکتوبات فارسی، دفتر سوم حصہ نہم ص ۹۲۔۹۱

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ:

اول و آخر وہی اصلِ وجود

باعثِ ایجادِ عالَم ہے وہی
موجبِ بنیاد آدم ہے وہی

گر نہ ہوتا پیدا وہ شاہِ نکو
یہ نہ ہوتا وہ نہ ہوتا، میں نہ تو

ہے وہ سرمایہ وجود کائنات
دونوں عالم سے ہے مقصود اس کی ذات

ہے وہ بے شک میوۂ نخلِ وجود
اول و آخر وہی اصلِ وجود

احکم ان کا ہے جہاں میں سر بسر
وہ یہاں آئے ہیں سب سے پیش تر

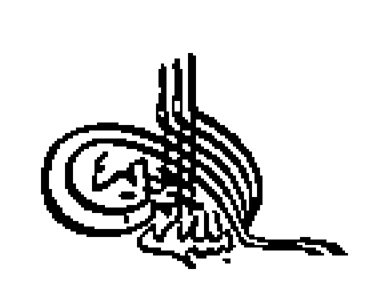
نہ پیدا ہوتا اگر احمد کا نور
نہ ہوتا دو عالم کا ہرگز ظہور

محمد خلاصہ ہے کونین کا
محمد وسیلہ ہے دارین کا

وہ منشا سب اسما کا ہے، وہ مصدر سب اشیاء کا ہے
وہ سرِ ظہور و خفا کا ہے، سب دیکھ نورِ محمد کا
کہیں غوث ابدال کہایا ہے، کہیں قطب بھی نام دھرایا ہے
کہیں دین امام کہایا ہے، سب دیکھو نور محمد کا(۱)

(۱)۔ کوکب نورانی، علامہ: نعت رنگ، کراچی شمارہ (۱۸) ص ۲۱۰۔۲۰۸

مجاہدِ تحریکِ آزادی علامہ محمد فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ:



هُوَ اَوَّلُ النُّوْرِ السَّنِيِّ تَبَلَّجَتْ	بِضِيَائِهِ فِي الْعَالَمِ الْاَضْوَاءُ
هُوَ اَوَّلُ الْاَنْبَاءِ آخِرُهُمْ بِهٖ	خُتِمَ النُّبُوَّةُ وَابْتَدَا الْإِبْدَاءُ
بَدْءٌ بِهٖ اَبْدَى الْمُهَيْمِنُ سِرَّهٗ	فَلِاَجْلِهِ الْإِبْدَاءُ وَالْاَيْدَاءُ (۱)

- آپ وہ پہلے اور جگمگاتے ہوئے نور ہیں جس کی روشنی سے دنیا بھر کی روشنیاں چمک اٹھیں۔
- آپ پہلے اور آخری نبی ہیں، آپ ہی پر نبوت ختم ہوئی اور آپ ہی کے ساتھ اس کی ابتداء ہوئی۔
- آپ وہ پہلی مخلوق ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنا راز بے نقاب کیا اور آپ ہی کی وجہ سے زندگی اور موت ہے۔

---

(۱)۔ فضل حق خیر آبادی، علامہ: باغی ہندوستان (طبع مکتبہ قادریہ، لاہور) صفحہ ۳۰۹۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ:

تو ہے عین نور

شمع دل مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا — تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

تیری نسل پاک سے ہے، بچہ بچہ نور کا — تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

وضع واضع میں تری صورت ہے معنی نور کا — یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا

یہ جو مہر و ماہ پر اطلاق آیا نور کا — بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا

ک گیسو ہ دہن ی ابرو آنکھیں عٓ صٓ — کٓھٰیٰعٓصٓ ان کا ہے چہرہ نور کا(۱)

---

(۱)۔ احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش (روحانی پبلشرز، لاہور) ص ۱۷۴

علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کردے

ہو نہ یہ پھول، تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو   چمنِ دہر میں، کلیوں کا تبسّم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو، خُم بھی نہ ہو   بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو، تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی، تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں، دامن کہسار میں، میدان میں ہے   بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیابان میں ہے   اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ ''رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' دیکھے

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں(۱)

در دِل مسلم مقامِ مصطفیٰ است   آبروئے مازنامِ مصطفیٰ است
طور موجے از غبارِ خانہ اش   کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
نسخۂ کونین را دیباجہ او   جملہ عالم بندگان و خواجہ او(۲)

---

(۱)۔ اقبال قرآن حکیم کی روشنی میں از قاضی محمد ظریف ص ۳۱۴۔۳۱۳

(۲)۔ ایضاً: ص ۳۱۱۔

مصر کی فضاؤں میں گونجنے والی آواز

جامع مسجد ازہر شریف اور قاہرہ کی مسجدوں میں اذان کے بعد عموماً یہ درود شریف بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے۔

الصلاة والسلام علیک
یا اوّلَ خَلْقِ اللّٰہِ وَآخِرَ رُسُلِ اللّٰہ۔ (۱)

(۱)۔ روایت ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری، اسسٹنٹ پروفیسر دی فیصل آباد یونیورسٹی آف فیصل آباد



اردو ترجمے کا سرِ آغاز

چشمِ افلاک یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنا لک ذکرک دیکھے

لیجیے محافلِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ کی زینت بننے والی ''حدیث نور'' اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے تاریک سائے کی نفی کرنے والی روایت اپنی صحیح سند اور پوری آب و تاب کے ساتھ آپ کے سامنے ہے، اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکے گا کہ اس حدیث کی سند دکھاؤ اور یہ مطالبہ بھی نہیں کر سکے گا کہ یہ لیجیے مصنف عبدالرزاق اور اس میں دکھایئے کہ ''حدیث نور'' کہاں ہے؟ اور نفی سایہ والی روایت کہاں ہے؟

میں بجا طور سمجھتا ہوں کہ خوشی کے اس موقع پر تمام اہلِ محبت کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے کم از کم دو رکعت نفل ادا کرنے چاہئیں۔

مصنف عبدالرزاق کا نسخہ ۱۹۷۰ء میں بیروت سے چھپا، جس پر ہندوستان کے ایک دیوبندی عالم حبیب الرحمٰن اعظمی نے تحقیق کی تھی، ۱۹۷۵ء کے لگ بھگ کوچہ غوثیہ، نواں بازار، لاہور کے ایک مکتبے کے مالک نے یہ کتاب منگوائی اور اس کے آنے سے پہلے اس نے کہا تھا کہ بریلوی ''حدیثِ نور'' کے سلسلے میں مصنّف عبدالرزاق کا حوالہ دیتے تھے، اب کھل جائے گا کہ یہ سچے ہیں یا جھوٹے؟ اس کے بعد ایک طبقے نے تحریر و تقریر کے ذریعے اس مطالبے کو خوب اچھالا کہ اس حدیث کی سند کیا ہے؟ اور اس کا حوالہ کہاں ہے؟

اس لئے راقم کو اس حوالے کی جستجو تھی، کیونکہ جلیل القدر ائمہ نے اس حدیث کو نقل اور قبول کیا تھا، ان کے بارے یہ سوچنا بھی جرم تھا کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہوگا۔ پھر بیروت سے جو کتاب چھپ کر آئی تھی وہ مکمل نہیں بلکہ ناقص تھی، جس کا اعتراف خود تحقیق کرنے والے نے کیا تھا، چنانچہ راقم نے مختلف فضلاء سے بالمشافہہ دریافت کیا اور بعض سے بذریعہ مکتوب گزارش کی کہ مصنّف کے کسی قلمی نسخے کی نشاندہی کریں جس میں ''حدیثِ نور'' موجود ہو، لیکن کہیں سے مقصد برآری نہ ہوسکی، ایک دفعہ راقم اسلام آباد گیا، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی لائبریری میں حاضر ہوا، وہاں مصنف کے قلمی نسخے کی فوٹو کاپی موجود تھی لیکن اس میں یہ حدیث نہیں ملی۔

ڈاکٹر قمر النساء، حیدر آباد دکن، ڈاکٹر محمد عبدالستار، شکاگو، امریکہ، شیخ محمد یوسف الحوت، بیروت، جامعۂ ازہر میں زیرِ تعلیم ڈاکٹر عبدالواحد، اور عزیزم ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری کو لکھا کہ آپ دارالکتب المصریہ، قاہرہ سے معلوم کریں، لیکن کہیں سے مثبت جواب نہ ملا۔ عالمی مبلغ اسلام پیر طریقت سید یوسف سید ہاشم رفاعی مدظلہ العالی کو ایک ملاقات میں عرض کیا کہ سنا ہے صنعاء، یمن میں ایک شخص کے پاس امام عبدالرزاق کا قلمی نسخہ موجود ہے، آپ اس سے معلوم کریں، انہوں نے فرمایا وہ شخص مخطوط دکھاتا ہی نہیں ہے۔

خانیوال کے ایک حکیم صاحب نے بتایا کہ میں بغداد شریف سے اس حدیث کی فوٹو کاپی لایا ہوں، لیکن بار بار کے تقاضوں کے باوجود وہ فوٹو کاپی دیکھنے کو نہ ملی، یہاں تک کہ وہ صاحب دنیا ہی سے رخصت ہوگئے، ایک معروف دانشور اور فاضل نے فرمایا کہ مصنّف کا قلمی نسخہ مدینہ یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے اور اس میں حدیث نور بھی موجود ہے، میں اس کی فوٹو کاپی لایا ہوں، لیکن کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں، کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ عمرہ کرنے جارہے ہیں، راقم نے انہیں عرض کیا کہ حدیث نور کی فوٹو کاپی لانا نہ بھولیں، چند دنوں کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ عمرہ کی سعادت حاصل کر کے واپس آگئے ہیں، میں نے انہیں فون

کیا، رابطہ قائم ہونے پر بغیر کسی تمہید کے پوچھا کہ حدیث شریف کی فوٹو کاپی لائے؟ انہوں نے فرمایا: جس دن میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اس دن یونیورسٹی میں چھٹی تھی، اس سے اگلے روز میں نے آگے سفر پر روانہ ہونا تھا، اس لیے نہ لا سکا۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ۱۹۹۴ء میں مجھے حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت میسر ہوئی، راقم مدینہ یونیورسٹی لائبریری کے ڈائریکٹر سے جا کر ملا اور ان سے مصنّف کے مخطوط کی زیارت کی خواہش کا اظہار کیا، انہوں نے پوچھا کہ آپ اسے کیوں دیکھنا چاہتے ہیں؟ میں نے بتایا کہ مصنّف کا چھپا ہوا نسخہ ناکمل ہے، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ نسخہ مکمل ہے یا نہیں؟ انہوں نے اپنے عملے سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس مصنّف کا مخطوط موجود ہی نہیں ہے۔ پھر ڈائریکٹر صاحب نے مدینہ منورہ کے محدث شیخ حماد انصاری کو فون کر کے پوچھا کہ پاکستان کے کچھ لوگ مصنّف کا مخطوط دیکھنا چاہتے ہیں، کیا ہماری لائبریری میں وہ مخطوط موجود ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں۔

اس سے آپ راقم کے اشتیاق کا اندازہ کر سکتے ہیں، میری طرح نہ جانے کتنے اہل محبت بے چینی کے ساتھ گم گشتہ "حدیث نور" کی زیارت کے مشتاق تھے۔ اور یہ بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت اس حدیث کے ملنے پر کتنے مسرور ہوئے ہیں؟

اتنے طویل عرصہ کی تلاش اور جستجو کے بعد اس حدیث شریف کے ملنے کی جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانوں کو خوشی ہو رہی ہے، وہ پینتیس سال پہلے چھپ جانے کی صورت میں نہ ہوتی، کسی چیز کی طلب جتنی شدید اور طویل ہو اس کے ملنے پر اتنی ہی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

چشمِ افلاک یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شان "رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" دیکھے

جناب سید محمد عارف مہجور رضوی، گجرات نے مصنّف کے دستیاب ہونے والے ابواب کا

تاریخی مادہ ''مخزن حدیث جابر'' (۱۴۲۵ھ) تخریج کیا ہے اور درج ذیل قطعہ لکھ کر اپنی مسرت کا اظہار کیا ہے:

منکرین مصطفیٰ نادم ہوئے   مل گیا مأخذ حدیث نور کا
اہلِ ایماں کی خوشی ہے دیدنی   پوچھئے نہ ولولہ مہجور کا(۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے پیر خانے، خانقاہِ عالیہ مارَہرَہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید محمد امین میاں دامت برکاتہم العالیہ اور مجاہد اسلام جناب حاجی محمد رفیق برکاتی مدظلہ کی کوششیں مصنّف کے مخطوطہ کے حاصل کرنے کے سلسلے میں لائق صد تحسین ہیں اور ڈاکٹر عیسیٰ مانع دامت برکاتہم العالیہ، سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف و امور اسلامی، دبئی نے دس گم شدہ ابواب پر فاضلانہ حواشی اور مقدمہ تحریر کیا اس پر وہ تمام ملت اسلامیہ کے شکریئے کے مستحق ہیں، یہ مخطوطہ جو افغانستان کے ایک تاجر کتب سے دستیاب ہوا ہے وہ ۹۳۳ھ میں شیخ اسحاق بن عبدالرحمٰن سلمانی نے بغداد شریف میں لکھا تھا، ڈاکٹر عیسیٰ مانع کے مقدمہ اور حواشی کے ساتھ پہلے بیروت سے شائع ہوا، پھر مؤسسۃ الشرف، لاہور نے اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی اور اب اس کا ترجمہ شائع کر کے اردو خواں حضرات کی علمی ضیافت طبع کیلئے پیش کر رہا ہے۔

فاضل علامہ مفتی محمد خان قادری زید مجدہ نے بیروت کا چھپا ہوا نسخہ ہمیں فراہم کیا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری، اسسٹنٹ پروفیسر ڈی یونیورسٹی، آف فیصل آباد اور عزیزم حافظ نثار احمد قادری نے دن رات کی محنت سے اسے شائع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر میں حصہ لینے والے حضرات و احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

---

(۱)۔ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، شمارہ جنوری ۲۰۰۶ء، ص ۹۔

حدیثِ نور کانفرنس (۱۵- جنوری ۲۰۰۶ء بروز اتوار)

جامعہ اسلامیہ لاہور، ایچی سن ہاؤسنگ سوسائٹی ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

ارشادِ ربانی ہے: قَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ. (المائدہ ۵/۱۵)

سرکارِ دو عالم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں: خَرَجَ مِنِّي نُوْرٌ. (مجھ سے ایک عظیم نور برآمد ہوا) خود سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: اے جابر! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی وہ تمہارے نبی کا نور تھا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے، آپ ہی کی زبان اقدس سے "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" ہم ظاہری صورت کے اعتبار سے تمہاری طرح انسان ہی ہیں، لیکن ظلمت پرستوں کو یہ نور ایک آنکھ نہ بھایا اور اسلام کے دشمنوں نے اس نور کے بجھانے کے لئے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔

ارشاد ربانی ہے:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ.

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

بقول اقبال یہ جنگ ابتدا سے چلی آرہی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

یہی وجہ ہے کہ ابن سبا کی ذرّیت نے جہاں اسلام کو گزند پہنچانے کے لئے دوسرے حربے استعمال کئے، وہاں حضور سید عالم ﷺ کی محبت و عظمت کم کرنے بلکہ ختم کرنے کے لئے

بھی مختلف ہتھکنڈے استعمال کیے، اقبال کہتے ہیں کہ اسلام دشمن قوتوں کا پروگرام یہ تھا۔

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

عظمتِ مصطفیٰ ﷺ، آپ کی نورانیت اور آپ کے اول مخلوق ہونے اور آپ کے بے سایہ ہونے کو بیان کرنے والی احادیث کا حدیث شریف کے اہم مأخذ مصنف عبدالرزاق سے غائب کر دینے کو کسی طور پر بھی اتفاقی حادثہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہ غیر مسلم قوتوں کی بین الاقوامی سازش کا حصہ ہے، اس کے لئے لمبے سوچ بچار کی ضرورت نہیں ہے، معمولی غور و فکر سے یہ سازش طشت از بام ہو جاتی ہے، ہندوستان کے مولوی حبیب الرحمٰن اعظمی نے مصنف عبدالرزاق کو ایڈٹ کر کے چھپوایا تو ان کے سامنے مصنف کے تین قلمی نسخے تھے اور تینوں ابتدا سے ناقص تھے، مصر کے ایمن ازہری نے اسے ایڈٹ کر کے چھپوایا، ان کو بھی ایسے نسخے ملے جو ابتدا سے ناقص تھے، برکاتی فاؤنڈیشن کراچی کے چیئرمین جناب حاجی محمد رفیق برکاتی نے بتایا کہ ہمیں معلوم ہوا کہ ترکی کے میوزیم میں مصنف کا قلمی نسخہ موجود ہے اور ہفتے میں ایک دن اسے دیکھنے کی اجازت دی جاتی ہے، وہاں رابطہ کیا تو یہ تلخ حقیقت سامنے آئی کہ اس کی ابتدا سے ۳۵ صفحات غائب ہیں، کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سب اتفاقی حادثات ہیں؟

شاید آپ کے دل و دماغ کے کسی گوشے میں کچھ خلجان باقی ہو، لیکن ایک نئی اور حیران کن خبر پڑھنے کے بعد آپ کا کوئی تحفظ باقی نہیں رہے گا۔

یہ خبر حاجی محمد رفیق برکاتی نے جامعہ اسلامیہ، ایچیسن سوسائٹی، رائیونڈ روڈ لاہور میں ۱۵۔ جنوری ۲۰۰۶ء کو مفتی محمد خان قادری حفظہ اللہ تعالیٰ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ''حدیثِ نور کانفرنس'' میں خطاب کرتے ہوئے بیان کی، آیئے ان ہی کی زبانی سنتے ہیں۔

میرے پیرو مرشد ڈاکٹر سید محمد امین میاں دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین مارہرہ شریف میرے پاس دبئی تشریف لائے ہوئے تھے، جمعرات کے دن ہم نے رات کے وقت نعت خوانی کا پروگرام بنایا، ساتھ ہی ہم نے ڈاکٹر عیسیٰ مانع، سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف، دبئی کو بھی دعوت دے دی، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کریم کی عنایت عظیمہ کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک افغانی تاجر میرے پاس آیا اور کہنے لگا آپ نے مصنف عبدالرزاق کا مخطوطہ طلب کیا تھا، میں وہ آپ کے لئے لے کر آیا ہوں، پوچھا کہ اس کا ہدیہ کیا ہے؟ کہنے لگا دس لاکھ پاکستانی روپے، میں نے کہا کہ یہ تو بہت زیادہ رقم ہے، میں تمہیں چار لاکھ روپے دے سکتا ہوں اور وہ بھی کل دوں گا اگر میرے پیر صاحب نے اس مخطوطے کے خریدنے کا حکم دیا۔

کہنے لگا: حاجی صاحب! اگر میں یہ مخطوط فلاں شخص کے پاس لے جاتا تو وہ مجھے نقد چھ لاکھ روپے دے دیتا، میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ وہ اسے لے کر کیا کرتا؟ کہنے لگا: وہ اسے نذرِ آتش کر دیتا۔ میں نے پوچھا کہ پھر تم اس کے پاس لے کر کیوں نہیں گئے؟ کہنے لگا: میرا ضمیر اس پر آمادہ نہیں ہو سکا۔

کیا اس کے بعد بھی آپ کے ذہن میں بین الاقوامی سازش کے بارے میں کوئی شک باقی رہ گیا ہے؟

حاجی محمد رفیق برکاتی نے فرمایا کہ میں نے وہ مخطوط لے لیا، وہ مصنف کی پہلی دو جلدیں تھیں جو میں نے لا کر حضرت سید محمد امین میاں کی خدمت میں پیش کر دیں، انہوں نے دیکھ کر فرمایا کہ انہیں سنبھال کر رکھ لو، رات کو ڈاکٹر عیسیٰ مانع بھی آ گئے، محفل نعت خوانی کے بعد، حضرت سید محمد امین میاں نے فرمایا کہ وہ مخطوطہ لا کر ڈاکٹر عیسیٰ مانع کو دکھاؤ، انہیں دکھایا تو انہوں نے بڑی بے دلی سے اسے دیکھا اور کہا "مــا فی" اس میں وہ حدیث نہیں ہو گی، تاہم انہوں نے ابتدا سے دو چار صفحے پڑھے تو جھومتے ہوئے سجدے میں چلے گئے، اور جب ان کا

سجدہ غیر معمولی طویل ہو گیا تو میں نے انہیں پکڑ کر اٹھایا اور پوچھا کیا بات ہے؟ وہ اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئے اور عربوں کے انداز کے مطابق میری پیشانی پر بوسوں کی بوچھاڑ کر دی، کہنے لگے حاجی رفیق! مبارک ہو اس میں ''حدیثِ نور'' موجود ہے۔ (حاجی صاحب کی گفتگو ختم)

اس کے بعد ڈاکٹر عیسیٰ مانع نے مصنّف کے دس گم شدہ ابواب پر فاضلانہ حواشی لکھے اور مقدمہ سپردِ قلم کیا اور اس حصے کو بیروت سے چھپوا دیا، مکتبہ ''موسسۃ الشرف'' نے اس کا عکس لے کر شائع کر دیا اور اب اس کا اردو ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اسی دن صبح نو بجے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں دو منزلہ لائبریری کا افتتاح ہوا جس میں حاجی محمد رفیق برکاتی کے علاوہ شام کے مشہور علمی اور روحانی خانوادے کے چشم و چراغ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں سے ایک محقق عالم ڈاکٹر شہاب الدین فرفور مدظلہ العالی بھی شریک ہوئے اور انہوں نے ''حدیثِ نور'' کے دستیاب ہونے پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا پھر ''حدیثِ نور کانفرنس'' میں بھی شریک ہو کر خطاب کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ظلمت پرستوں کی کاروائی اگر ہم جیسے کمزور اور بے مایہ انسانوں کے خلاف ہوتی تو ضرور کامیاب ہو جاتی، لیکن وہ منشائے خداوندی سے ٹکر لے بیٹھے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ناک کو خاک آلود کر کے نورانیتِ مصطفیٰ ﷺ کی شعاعیں پوری دنیا میں بکھیر دیں اور بتا دیا کہ

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

الحمد للہ حمداً طیبا مبارکا کما یلیق بشانہ العظیم۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۲۶/ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ

۲۷/ جنوری ۲۰۰۶ء



دوسرے عربی ایڈیشن کا پیش لفظ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے حبیب کبریاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کو تمام انبیاء اور مرسلین پر فضیلت عطا کی اور آپ کو وہ کمالات وفضائل عطا کیے جو نہ تو پہلوں میں سے کسی کو عطا کیے گئے اور نہ ہی بعد والوں میں سے کسی کو عطا کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے افضل و اکمل درود وسلام نازل ہوں کائنات کی افضل ترین ہستی، آپ کی آل پاک، صحابۂ کرام اور آپ کی ملت کے تمام علماء پر۔

امابعد! حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کردہ ''حدیث نور'' زمانہ ماضی اور موجودہ دور کے علماء میں مشہور ومعروف تھی، عرب وعجم کے علماء نے اسے بغیر کسی اعتراض کے اپنی کتابوں میں بیان کیا تھا، راقم الحروف نے اپنی کتاب ''من عقائد اهل السنّة'' میں (جس کا اردو ترجمہ ''عقائد ونظریات'' کے نام سے چھپ چکا ہے) نورانیتِ مصطفی ﷺ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ان علماء کے کثیر تعداد میں حوالے درج کیے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو قبول کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کہ نبی اکرم ﷺ کا سایہ نہیں تھا، متقدمین اور متاخرین علماء میں معروف ومتداول تھی۔

باوجودیکہ جلیل القدر علماء وفضلاء نے ان احادیث کو قبول کیا اور انہیں اپنی تحریر اور تقریر کی زینت بنایا ہے، بعض حلقوں کی طرف سے ان کے خلاف بہت لے دے کی گئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان احادیث کی سند معلوم نہیں تھی، کیونکہ نامور حافظ الحدیث، محدث جلیل امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد، امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری کے استاذ الاستاذ امام

عبدالرزاق بن ہمام حمیری صنعانی یمنی کی حدیث شریف کے موضوع پر مشہور آفاق کتاب ''مُصنَّف'' شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق کے ساتھ ۱۳۹۰/۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی، لیکن یہ کتاب نامکمل تھی، اس میں دس ابواب کی کمی تھی، کیونکہ وہ بقول ان کے دستیاب ہی نہیں ہو سکے تھے، ان ہی دس ابواب میں پہلا باب بھی ناپید تھا، جس کا عنوان ہے "باب فی تخلیق نور محمد ﷺ". اسی باب میں نمبر ۴ پر نفی سایہ کی حدیث اور نمبر ۱۸ پر حدیث نور تھی۔

بہت سے علماء نے دنیائے اسلام کے مختلف شہروں میں ''مُصنَّف'' کا مکمل نسخہ تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی سر توڑ کوششیں کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں، للہ الحمد! کہ یہ قابل صد رشک سعادت فاضل جلیل ڈاکٹر عیسیٰ مانع حِمیَری مدظلہ العالی، سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف و امور اسلامیہ، دبئ و پرنسپل امام مالک کالج برائے شریعت و قانون، دبئ کے حصے میں آئی کہ وہ ''مصنَّف'' کا نادر و نایاب اور ابتدا سے مکمل نسخہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ عظیم نعمت انہیں بیٹھے بٹھائے حاصل نہیں ہو گئی، بلکہ مصنَّف کا مخطوطہ حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بڑی جدوجہد کی، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں مانگیں، تب اللہ تعالیٰ نے ان کا دامن گوہر مراد سے بھر دیا۔

اس مخطوطے کے حاصل کرنے کیلئے انہوں نے کتنی کوشش کی؟ اس کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں:

''اس مخطوط کو جگہ جگہ تلاش کرنا میرا باقاعدہ مشغلہ بن گیا تھا، اس کے ساتھ ساتھ میں بابرکت دنوں، رحمت و قبولیت کے مقامات اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی موجودگی میں مسلسل دعائیں مانگتا رہا، خصوصاً نبی اکرم ﷺ کے مواجہۂ عالیہ میں حاضر ہو کر دعا کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہندوستان کے ایک مرد صالح (یکے از اولیائے کرام) اور ہمارے دینی

بھائی ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری حفظہ اللہ تعالیٰ (۱) کے ذریعے مصنّف عبدالرزاق کا یہ نادر ونایاب مخطوطہ اور خاص طور پر اس کی پہلی اور دوسری جلد بطور تحفہ عطا فرمادی"۔

فضیلۃ الشیخ عیسیٰ مانع حِمیری نے اس مخطوط پر تحقیق کرتے ہوئے علوم حدیث میں کمال مہارت کا مظاہرہ کیا ہے، جس کا اندازہ بیروت سے چھپنے والی کتاب کے مطالعہ سے ہوتا ہے، اس کا نام ہے:

"الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنَّف".

مصنف عبدالرزاق کی پہلی جلد کا گم گشتہ حصہ

ڈاکٹر عیسیٰ مانع نے حضرت جابر کی روایت کردہ "حدیث نور" کا دفاع کرتے ہوئے درج ذیل عنوان کے تحت فاضلانہ گفتگو کی ہے:

قول علماء الشان

فی من وصم حدیث جابر بر کاکۃ الألفاظ والبیان.

حدیث جابر پر الفاظ کی کمزوری کا اعتراض کرنے والوں

کے بارے میں اکابر علماء کے ارشادات

"مؤسسۃ الشرف" لاہور کی خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس کتاب کا عربی ایڈیشن اور اردو ترجمہ شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ہم فاضل علامہ مفتی محمد خان قادری حفظہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں یہ نسخہ اشاعت کے لئے فراہم کیا۔

---

(۱)۔ حضرت پیر طریقت سید محمد امین میاں قادری مدظلہ العالی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے پیر خانے اور ہندوستان میں سلسلۂ عالیہ قادریہ کی سب سے بڑی درگاہ شریف مارہرہ مقدسہ کے سجادہ نشین اور علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ ۱۲ اشرف قادری

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ڈاکٹر عیسیٰ مانع کی اس کوشش کو قبول فرمائے، قیامت کے دن اس کوشش کو ان کی نیکیوں کے پلڑے میں شامل فرمائے اور انہیں علم اور حدیث شریف کی طرف سے ہر طرح کی خیر و برکت عطا فرمائے، اسی طرح ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا ذریعہ بنائے۔ بے شک وہ جو چاہے کرے اور دعا کو قبول کرنا اس کی شان کے لائق ہے، یقیناً وہ بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے۔

۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ　　　　محمد عبدالحکیم شرف قادری

۱۱/ دسمبر ۲۰۰۵ء　　　　سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور، پاکستان

امام عبدالرزاق صنعانی

تک ڈاکٹر عیسیٰ مانع کی سند

(۱)۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے امام عبدالرزاق بن ہمام کی ''مصنّف'' کی روایت کرتا ہوں۔ اپنے شیخ، محدث عارف، علامہ سید عبدالعزیز بن صدیق حسینی سے وہ روایت کرتے ہیں مسند عصر علامہ سید عبدالحی ابن عبدالکریم کتانی حسنی سے۔

(۲)۔ اپنے شیخ اور مقتدا، شیخ الحرمین الشریفین، طلباء نواز، عظیم مبلغ سیدی سید محمد بن علوی مالکی علوی مالکی حسنی مکی سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد علامہ سید علوی ابن عباس مالکی سے اور وہ سید عبدالحی کتانی سے۔

(۳)۔ اپنے شیخ علامہ محقق عبدالفتاح ابوغدّہ حلبی سے وہ علامۂ کبیر محمد زاہد الکوثری سے، وہ سید عبدالحی کتّانی سے وہ حسن حمزاوی اور فالح بن محمد ظاہری مدنی سے وہ دونوں علی بن عبدالحق القوصی سے وہ امیر کبیر سے، وہ شہاب الدین احمد جوہری اور شہاب الدین احمد ملوی سے وہ عبداللہ ابن سالم بصری سے وہ علی زیادی سے وہ شہاب الدین رملی سے، وہ سخاوی سے، وہ حافظ ابن حجر عسقلانی سے، وہ ابوالفرج عبدالرحمٰن غزّی سے، وہ یونس دبوسی سے، وہ ابوالحسن علی بن حسین سے، وہ حافظ سلامی سے، وہ عبدالوہاب بن منک سے، وہ محمد بن عمر کوکبی سے، وہ ابوالقاسم طبرانی سے، وہ ابواسحاق ابراہیم دبری سے اور وہ صاحبِ مصنّف امام عبدالرزاق ابن ہمام صنعانی سے روایت کرتے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مترجم (شرف قادری) کی سند امام عبدالرزاق تک

فقیر قادری کی متعدد سندیں محدث مغرب علامہ سید محمد عبدالحی کتانی رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتی ہیں، ان کے بعد امام عبدالرزاق تک وہی سند ہے جو ڈاکٹر عیسیٰ مانع مدظلہ العالی نے بیان کی ہے۔ فقیر کو اجازت ہے۔ ان حضرات سے:

(۱)۔ علامہ حسن بن محمد بن الصدیق حسنی غماری

(۲)۔ شیخ محمد علی مراد حموی شامی

(۳)۔ شیخ عبدالرحمٰن بن ابی بکر ملّا

(۴)۔ محدث علامہ محمد الحافظ عبداللطیف تیجانی

یہ چاروں حضرات محدثِ مغرب سید محمد عبدالحی کتانی سے روایت کرتے ہیں۔

(۵)۔ سید محمد علوی مالکی اپنے والد ماجد سید علوی ابن عباس مالکی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتانی سے

(۶)۔ شیخ محمد تیسیر بن توفیق مخزومی دمشقی وہ شیخ عبدالرحمٰن بن احمد الہاشم الحسنی الاحسائی سے وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتانی سے

(۷)۔ شیخ احمد محمد الحافظ عبداللطیف تیجانی، وہ محمد الحبیب سوڈانی سے اور وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ محمد عبدالحی کتانی سے

(۸)۔ محمد ابراہیم عبدالباعث حسنی کتانی مصری وہ شیخ عبداللہ محمد الصدیق غماری سے وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتانی سے۔

(۹)۔ شیخ محمد ہاشم محمود سیوطی وہ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالفتاح ابو غدہ سے وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتانی سے

(۱۰)۔ شیخ صلاح الدین تیجانی وہ شیخ محمد الحافظ عبداللطیف تیجانی سے وہ روایت کرتے ہیں محدث مغرب شیخ سید محمد عبدالحی کتانی سے

محدث جلیل، ڈاکٹر محمود سعید ممدوح مصری شافعی مدظلہ العالی

کی تقریظ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے اور صلوٰۃ وسلام ہو ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل اور آپ کے محبین پر اور اللہ تعالیٰ آپ کے صحابہ کرام اور آپ کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے والوں سے راضی ہو، امابعد!

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کی شہرۂ آفاق تصنیف ''مصنّف'' حدیث شریف کی معتمد اور بنیادی کتابوں میں سے ہے، جسے سوار حاصل کر کے دور دراز کے ملکوں میں لے گئے، کیونکہ اس کے مصنف ثقہ ہیں اور ان کا مقام بلند ہے، ان کی سندیں مضبوط ہیں اور انہوں نے مرفوع اور موقوف روایات کو جمع کیا ہے۔

یہ مکمل کتاب محدث علامہ، خادم سنت مطہرہ حبیب الرحمٰن اعظمی متوفی ۱۴۱۲ھ کی تحقیق کے ساتھ چھپی تھی، لیکن اس کی ابتدا سے کچھ حصہ چھپنے سے رہ گیا تھا۔

ایک عرصہ سے علماء اور خاص طور پر محدثین کی آرزو تھی کہ کاش یہ کتاب مکمل چھپ جائے، اسے چھپے ہوئے تیس سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، کیونکہ یہ ۱۳۹۰ھ میں چھپی تھی، (اور اب تک نامکمل تھی) اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت میرے دینی بھائی، علم شریف کے خادم اور مبلغ، فضیلۃ الشیخ، ڈاکٹر عیسیٰ ابن عبداللہ ابن محمد بن مانع حمیری، سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف و امور اسلامیہ، دبئ اور امام مالک کالج برائے شریعت وقانون، دبئ کے پرنسپل کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ مصنّف کا گم شدہ حصہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، میں نے اس کا مخطوط ان کے دفتر میں دیکھا ہے، ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق کے مقدمے میں مخطوط کی کیفیت بھی بیان کی ہے، جس سے اس کا مستند ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فضیلۃ الدکتور عیسیٰ ابن عبداللہ ابن محمد مانع حمیری نے اس گم گشتہ حصے کو نقل کیا، اس پر حاشیہ لکھا اور اس کی روایات پر اصول حدیث کے مطابق حکم لگایا، اور اس کے مشکل الفاظ کا مطلب بیان کیا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہیں اپنی نعمتوں سے نوازے اور ان کا سینہ ہر نیک کام کے لئے کھول دے، بلاشبہ ان کی کوشش شکریے کے لائق ہے، انہوں نے خوب کام کیا ہے۔

۲۲/ ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ

تحریر: خادم الحدیث الشریف
ڈاکٹر محمود سعید ممدوح، دبئی

اللہ تعالیٰ اس کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے

تقریظ

ڈاکٹر شہاب الدین فرفور الحسنی

بسم الفتاح العلیم

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے تاریکیوں میں علمی مراکز کو روشنی کا منبع بنایا، اور سخت سیاہ راتوں کی تاریکیوں میں اہل علم کو چمکتے چراغ بنایا، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے لائبریریوں اور کتاب کو ایسا بنا دے جیسے کائنات میں انسان کی پسندیدہ ترین چیز، اور ہم رب کریم کی بارگاہ میں نبی رحمت ﷺ کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دلوں کو اپنے نبی ﷺ کے نور کے ساتھ روشن اور تابناک کر دے، تا کہ ہم اس قابل ہو سکیں کہ علم کے طالب ہمارے پاس آئیں، اور ہم کسی کو کچھ دے سکیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور سرور کائنات ﷺ پر درود و سلام کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ: لوگوں کے درمیان یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ معاشروں کی ذہنی سطح بلند کرنے اور دنیا بھر کے ممالک کی تہذیب سازی میں اصل کردار کتب خانوں کا ہے، اور یہ بھی کہ جو ملک کتب خانوں سے خالی ہوگا وہ پسماندہ کہلائے گا۔

لیکن بات یہ نہیں کیونکہ کتاب تو علمی افکار کا مجموعہ ہے اور اس کے ساتھ کوئی توجہ دلانے ہاتھ پکڑ کر چلانے اور توازن سے ہمکنار کرنے والا نہیں ہوتا، اور کتاب کا فہم باعمل اور سراپا نور علماء کے بغیر حاصل کرنا ممکن نہیں، اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ کتاب میں کتابت کی غلطی کا ادراک صرف مردان کار کی عقول ہی کر سکتی ہیں، اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ علماء کے سینے ہی ممالک کی تہذیب کے سرچشمے ہیں، مگر انسانی عقل بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، اور کمزوری، بے بسی اور بھول مخلوق کی خصوصیات میں سے ہیں، اس لیے کتب خانوں کا وجود

ضروری تھا تا کہ اگر عقل کو نسیان لاحق ہو تو اس آفت سے بچا جا سکے۔

عقل اپنے اس مرتبہ و مقام سے محروم ہو چکی ہے جس پر وہ ماضی میں فائز تھی اور وہ مرتبہ و مقام کسی چیز کو دل و دماغ میں محفوظ کر لینے کا ہے، اور یہ خوبی قدیم محدثین کو حاصل تھی اور ہمیں حاصل نہیں، لہٰذا ضروری تھا کہ ہم اس یاداشت کے بدلے کتاب پر اور دلوں میں ثبت علم کے بدلے اوراق میں لکھی ہوئی تحریر پر انحصار کریں، اس لیے علمی مراکز جو کہ مردان کار کے سینوں کی شاخ کا درجہ رکھتے ہیں اپنی اصل کا کردار ادا کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور انسانی یاداشت میں کمزوری اور کمی کے باعث کتب خانوں کا وجود ناگزیر قرار دیا گیا اور انہیں تہذیبوں کے وجود کے لیے سرچشمہ قرار دیا گیا۔ اور اہل علم کی رائے میں کتاب کا گم ہو جانا روح کے ایک حصے کا گم ہونا ہے، اور کتاب کا موجود ہونا جسم میں روح کے موجود ہونے کی طرح ہے، اسی لئے کتاب کو اس کے مؤلف کے پاس ہونے کو اس بچے سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے باپ کی آغوش میں ہو، یہی وجہ ہے کہ جب ابو علی القالی اپنی تنگدستی کے باعث شریف الرضی کے ہاتھ "جمهرة لغة العرب" بیچنے پر مجبور ہوا تو اس نے کتاب کی پشت پر درج ذیل اشعار لکھے:

انست بها عشرين حولا و بعتها　　　لقد طال وجدی بعدها وأنينی

ترجمه: میں اس کتاب (کے مطالعہ) سے بیس سال لطف اندوز ہوا اور (اب) اسے بیچ دیا، اسے بیچنے کے بعد مجھے طویل غم اور ہچکیوں نے گھیر لیا۔

وماكان ظنی أننی سأ بيعها　　　ولو خلّدتنی فی السجون ديونی

ترجمه: میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ میں اس کتاب کو بیچوں گا، اگرچہ مجھے میرے قرض ہمیشہ کے لیے جیلوں میں ڈال دیتے۔

ولكن لفقر واحتياج وصبية　　　صغار عليهم تستهل شؤنی

ترجمہ: لیکن تنگدستی محتاجی اوران چھوٹے بچوں کی وجہ سے (مجھے کتاب بیچنا پڑی) جن پر میرے آنسو بہتے ہیں۔

فقلت ولم أملك سوابق عبرتي　　　مقالة مقروح الفؤاد حزين

ترجمہ: جب مجھے اپنے مسلسل آنسوؤں پر قابو نہ تھا تو میں نے ایسے حال میں شکستہ خاطر اور غمگین شخص کا جملہ دہرایا۔

وقد تخرج الحاجات يا ام مالك　　　كرائم من رب لهن ضنين

ترجمہ: اے ام مالک! بعض اوقات محتاجی انسان کی ایسی عمدہ چیزیں نکلواتی ہے جس کے معاملے میں وہ بخیل ہوتا ہے۔

میں قارئین کی توجہ اس بات کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ اہل علم اس وقت تک عالم نہیں کہلا سکتے جب تک وہ کتب خانوں سے یوں محبت نہ کریں جیسے وہ سیر گاہوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، ہم نے اپنے بزرگوں سے کتاب کی محبت اور نئی نئی کتب کی جستجو سیکھی ہے، علاوہ ازیں ہم نے ان سے ماں باپ کی مقدس محبت سیکھی ہے۔

اور جب کتاب علمی اداروں اور علم دوست معاشروں میں داخل ہوتی ہے تو اہل علم کے دلوں پر اس کی اثر آفرینی ایسے ہوتی ہے جیسے کسی کو بیٹا مل گیا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اس کے والد کو وفات کے بعد دوبارہ زندگی بخش دی ہو، اور خصوصاً جب یہ نئی کتاب کسی مشہور ومعروف اور بڑی کتاب کا حصہ ہو۔

مصنف عبدالرزاق اسلامی عہد میں فن روایت میں پہلی اور انتہائی مؤثر اور عالی سند والی کتاب تھی تو اس کے گمشدہ حصے کو جو ابھی دریافت ہوا ہے وہی مرتبہ ومقام حاصل ہوگا، یہ حصہ طویل عرصہ تک گم رہا یہاں تک کہ مصنّف کی ناقص حالت میں اشاعت ہوئی، یوں ہم مکمل طور پر مصنف عبدالرزاق سے مستفید نہ ہو سکے۔

اور حدیث نور جسے حضرت جابر بن عبداللہ نے روایت کیا حضور ﷺ کے مرتبہ و مقام کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں انتہائی اہمیت اور عظمت کی حامل ہے، اور یہ حدیث مصنف عبدالرزاق کے ایک حصے کی گمشدگی کے سبب نظروں سے اوجھل تھی اور اس بات نے بارگاہِ رسالت میں ادب کی کمی کے شکار بہت سے لوگوں کو اتنی جرأت دے دی کہ وہ حدیث جابر کو موضوع کہنے لگے، کیونکہ حدیث جابر کی ایک ہی سند امام عبدالرزاق کی روایت ہے، اور عبدالرزاق وہ شخصیت ہیں جن کے ساتھ ان کی مصنّف میں ذکر کی گئی کسی حدیث پر اس کی سند کے عالی اور امام عبدالرزاق کے زمانہ نبوی سے قریب ہونے کے باعث کلام نہیں کیا جاتا۔

مسلمانوں کے ضائع شدہ علمی ورثہ کے ساتھ جب مصنّف کا یہ جز بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو خلافت راشدہ کے دور سے آج تک مسلمانوں کے درمیان موجود اسلام دشمنوں کو موقع مل گیا کہ وہ مصنف عبدالرزاق کے اس حصے کو نظروں سے اوجھل کر کے حدیث نور کو جعلی قرار دے دیں، تاکہ وہ ایک خطرناک کوتاہی کے بعد بارگاہِ رسالت مآب میں منفی گفتگو کر سکیں، جبکہ حدیثِ نور مسلمانوں کے لیے دین کی طرف رجوع اور حب رسول ﷺ تک رسائی کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے، اور مصنف عبد الرزاق کے اس حصے کی گمشدگی سے اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت واضح ہوئی، اگر یہ حصہ گم نہ ہوا ہوتا تو شاید اہل محبت کی ہمتیں سرگرم نہ ہوتیں اور دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ کے اس مرتبہ و مقام کو اجاگر کرنے کے لیے کانفرنسیں نہ ہوتیں جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پسند فرمایا۔

آج اسلامی دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کا حضور ﷺ کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں، کیونکہ جب انسان کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے دوری شدت اختیار کر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس انسان کو صرف حضور ﷺ کے توسل سے قبول فرماتا ہے، اس لیے مصنف عبدالرزاق کے گمشدہ حصے کا نورانیت مصطفیٰ ﷺ کا انکار کرنے والوں کے انکار کے بعد ظاہر ہونا اس بات

کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے باطن میں نور پنہاں رکھا، اور آپ کے ظاہر کو بھی اپنی مشیت اور رضا کے ساتھ نور سے آراستہ فرمایا، اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جس نے نورانیتِ مصطفیٰ ﷺ کے منافی عقیدے کو اپنایا اس کے عقیدے کے غلط ہونے پر مصنف عبدالرزاق کی عالی سند والی حدیث صریح دلیل ہے۔

میں ان لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کا شیخ المحدثین امام ابوبکر عبدالرزاق الصنعانی کی مصنَّف کے گمشدہ حصے کی بازیابی میں کچھ بھی حصہ تھا، وہ شخصیات:

حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی

حاجی محمد رفیق برکاتی

اور فضیلۃ الشیخ علامہ ڈاکٹر عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن مانع الحمیری ہیں اور ڈاکٹر عیسیٰ نے مصنف کے گمشدہ حصے پر بہترین تحقیق پیش کی ہے، اور میں بہت بڑے علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو عربی میں شائع کرنے کے بعد اردو میں بھی شائع کیا، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت اجر وثواب اور ہماری طرف سے بہت زیادہ شکر اور احسان مندی ہے، کیونکہ جس نے بندوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔

ترجمہ

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی، اسلامیات

دی یونیورسٹی آف فیصل آباد۔ فیصل آباد

یکم محرم الحرام ۱۴۲۷ھ/2006ء

تحریر

ڈاکٹر شہاب الدین فرفور

چیئرمین شعبہ عربی واسلامیات

منہاج القرآن یونیورسٹی

لاہور، پاکستان



مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ وحدہ لاشریک کے لئے جس نے فرمایا ہے:

اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکوٰۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ. (۱)

اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، اس کے نور کی مثال اس طاق کی سی ہے جس میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشے کی ایک قندیل میں ہو اور وہ قندیل گویا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہو، وہ چراغ برکت والے زیتون کے درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے، جو نہ تو مشرق کی طرف جھکا ہوا ہے اور نہ مغرب کی طرف، قریب ہے کہ اس کا تیل جگمگا اٹھے، اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے، نور ہی نور ہے، اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف راہنمائی فرما دیتا ہے۔

اور صلوٰۃ وسلام ہو کامل ترین ہستی اور کائنات کا احاطہ کرنے والے نور پر، جو ابتداؤں کے نور اور انتہاؤں کے خاتم ہیں، ہمارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ پر جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے

(۱)۔ سورۃ النور ۲۴/۳۵

کائنات کے سربستہ رازوں کو کھولا اور زمان و مکان کی حقیقت کو ظاہر فرمایا اور انہیں تمام انسانوں اور جنّوں کا سردار بنایا۔

اما بعد:

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ ''حدیثِ نور'' کے بارے میں بڑا قیل و قال پایا جاتا ہے، یہ وہ حدیث ہے جسے سیرت طیبہ کے بہت سے مصنفین نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے، اور اس کی سند بیان کئے بغیر مصنّف عبدالرزاق کا حوالہ دیا ہے۔

ہمارے اکابر علماء مثلاً حافظ العصر احمد ابن الصدیق الغماری اور علامہ شیخ عمر حمدان محدثِ حجازِ مقدس رحمہما اللہ تعالیٰ نے ''حدیث جابر'' کے جہاں جہاں ملنے کی توقع تھی وہاں وہاں اسے تلاش کیا، بلکہ انہوں نے یمن شریف کے سفر کا ارادہ بھی کیا، کیونکہ انہیں اطلاع ملی تھی کہ وہاں مصنّف کا مخطوطہ موجود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا کہ وہ شمالی یمن کا سفر کرتے۔ بعض محققین نے سفر کر کے یمن جانے اور مصنف کے نادر نسخے کی تلاش کی کوشش بھی کی، لیکن اس تک ان کی رسائی نہ ہو سکی، (۱) میں نے بعض محققین سے درخواست کی کہ اس کا مکمل نسخہ جہاں ملنے کی امید ہو وہاں اسے وہاں تلاش کریں، خصوصاً استنبول (ترکی) کی لائبریریوں میں، مجھے انہوں نے بتایا کہ ہمیں ترکی میں مصنف عبدالرزاق کے کئی نسخوں کا سراغ ملا ہے، لیکن ان کا کچھ حصہ ابتدا سے اور کچھ درمیان سے غائب ہے، یہی حال اس نسخے کا ہے جو علامہ حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق کے ساتھ (بیروت سے) چھپا ہوا ہے اور ہمارے پاس موجود ہے۔ (۲)

---

(۱)۔ راقم نے ایک دفعہ عالمی مبلغ اسلام اور عظیم شیخ طریقت شیخ سید یوسف سید ہاشم رفائی مدظلہ العالی کو عرض کیا کہ آپ دنیا بھر کے ممالک میں جاتے رہتے ہیں، سنا ہے یمن کے شہر صنعا میں ایک شخص کے پاس امام عبدالرزاق کا لکھا ہوا مصنف کا نسخہ موجود ہے، براہِ کرم اس سے رابطہ کریں، انہوں نے فرمایا: وہ شخص کسی کو دکھاتا ہی نہیں ہے۔ ۱۲ اشرف قادری

(۲)۔ کہتے ہیں جو چیز طلب کے بعد حاصل ہو اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے، اگر ابتدا ہی میں مصنف کا مکمل نسخہ اور اس میں ''حدیثِ نور'' مل جاتی تو ملت اسلامیہ کو وہ مسرّت اور شادمانی حاصل نہ ہوتی، جو دیوانہ وار کوششوں، ہزاروں دعاؤں، آرزوؤں اور امنگوں کے بعد ملنے پر حاصل ہو رہی ہے۔ ۱۲ اشرف قادری

میرا مشغلہ ہی یہ بن گیا تھا کہ میں اسے جگہ جگہ تلاش کرتا رہتا، بابرکت دنوں اور نزول رحمت کے مقامات پر اللہ کے بندوں کے ساتھ مل کر دعائیں کرتا، خصوصاً نبی اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت مواجھۂ عالیہ میں کھڑا ہو کر دعائیں مانگتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوئی اور اس کریم نے ہمیں مصنّف عبدالرزاق کا وہ نادر و نایاب نسخہ اور خاص طور پر پہلی اور دوسری جلد عطا فرما دی، ہم اس کے اس احسان و کرم کا شکریہ کس طرح ادا کریں؟ یہ تحفہ ہمیں ایک مرد صالح (یکے از اولیائے کرام) ہمارے دینی بھائی فاضل علامہ ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی قادری حفظہ اللہ تعالیٰ (امام احمد رضا بریلوی کے پیر خانے کے موجودہ سجادہ نشین اور علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر) کے ذریعے موصول ہوا۔ (اور ہمارے دل مسرت و شادمانی سے لبریز ہو گئے)۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمیں اس نسخے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ ''حدیثِ نور'' بھی مل گئی اور اس کی سند بھی مل گئی۔ (۱) اور چھپے ہوئے نسخے اور قلمی نسخے کے مقابلے سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ (بیروت سے) چھپے ہوئے نسخے کی ابتدا سے دس باب غائب ہیں، جیسے کہ قارئین کرام کو اس تحقیق میں دونوں نسخوں کے مقابلے سے معلوم ہو جائے گا۔

یہ بھی واضح ہو گیا کہ ''حدیثِ نور'' صحیح ہے، جسے امام عبدالرزاق، معمر سے وہ ابن منکدر سے اور وہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: جابر! وہ تمہارے نبی کا نور تھا''۔

ہم پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو گئی کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سب سے

(۱)۔ بلکہ نبی اکرم ﷺ کے کثیف سائے کی نفی کی روایت بھی اپنی سند کے ساتھ مل گئی، فالحمد للہ تعالیٰ۔ ۱۲ اشرف قادری

پہلی مخلوق ہیں، یعنی عالم ارواح میں سب سے پہلے آپ کی روح اقدس پیدا کی گئی اور عالمِ اجسام میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا جسم مبارک پیدا کیا گیا، کیونکہ حضرت آدِم علیہ السلام آپ کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہیں اور روح کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مظہر پہلے ظاہر ہو، اس لئے حضرت آدم علیہ السلام عالم تصویر و تدبیر میں پہلے ظاہر ہوئے اور عالم امر اور تقدیر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تھے، کیونکہ آپ حقیقتوں کی حقیقت، اور تمام مغربوں میں مشرقوں کے سراج منیر ہیں۔

حدیث جابر تو گویا آیتِ مشکوٰۃ (جو مقدمے کی ابتدا میں لکھی گئی ہے) کی تفسیر ہے، حافظ ابن ناصر الدین دمشقی نے اپنی قلمی کتاب (المولد النبوی) میں اس آیت کی تفسیر احادیث مبارکہ سے کی ہے اور ہم نے وہ روایات تخریج کے ساتھ اپنی کتاب (نور البدایات و ختم النھایات) میں بیان کردی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں اپنی جناب کے ان علماء کے زمرے میں شامل فرما دے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حق کو ظاہر اور باطل کو خائب و خاسر کیا ہے اور ہمیں اس شریعت مقدسہ کے خادموں میں قبول فرمائے۔

اس مقدمہ کو ختم کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس گوہر گراں مایہ کی تحقیق کے بارے میں کچھ عرض کردوں:

(۱)۔ میں نے اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق احادیث کے حوالے درج کئے ہیں۔

(۲)۔ جب مجھے کسی حدیث کا حوالہ نہیں ملا تو میں نے سند پر گفتگو کر کے اس پر حکم لگا دیا ہے کہ وہ کس مرتبے کی حدیث ہے۔

(۳)۔ کم استعمال ہونے والے الفاظ کے معانی کی مختصر وضاحت کی ہے، البتہ ضرورت کے وقت لمبی گفتگو بھی کی ہے۔

(۴)۔ آخر میں حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات کی فہرست مرتب کی ہے۔

علم شریف کا خادم
ڈاکٹر عیسیٰ ابن عبداللہ ابن محمد بن مانع حمیری
سابق ڈائریکٹر محکمہ اوقاف وامور اسلامیہ، دبئی
پرنسپل امام مالک کالج برائے شریعت وقانون، دبئی

مخطوطے کا تعارف

مصنف عبدالرزاق کی پہلی جلد کے آخر میں بتایا گیا ہے کہ اسے اسحاق بن عبدالرحمٰن سلیمانی نے نقل کیا، یہ نقل ۹ رمضان المبارک سن ۹۳۳ ہجری کو بروز پیر بغداد شریف میں مکمل ہوئی ـــــ اللہ تعالیٰ بغداد مقدس کو ظالموں کے پنجے سے رہائی عطا فرمائے۔

پہلی جلد ایک سو تراسی (۱۸۳) اوراق پر مشتمل ہے، رسم الخط معمول کے مطابق ہے، اس پر نقطے لگائے ہوئے ہیں، اس کا تعلق دسویں صدی ہجری سے ہے، اس زمانے کی تحریرات کے ساتھ مقابلہ کرنے اور تحقیق کے بعد ہی ہماری محتاط رائے قائم ہوئی ہے، جیسے کہ مخطوط (ا)، (ب)، (ج) میں واضح کیا گیا ہے۔ اس مخطوطے کے ابواب کی ترتیب اس طرح ہے:

(ا)۔ باب فی تخلیق نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔	نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کے بیان میں۔
(۲)۔ باب فی الوضوء.	وضو کے بارے میں۔
(۳)۔ باب فی التسمیة فی الوضوء.	وضو میں بسم اللہ شریف پڑھنے کے بارے میں۔
(۴)۔ باب إذا فرغ من الوضوء.	جب وضو سے فارغ ہو۔
(۵)۔ باب فی کیفیة الوضوء.	وضو کی کیفیت کے بیان میں۔

(٦)۔ باب فی غسل اللحية فی الوضوء. وضو میں داڑھی کے دھونے کے بیان میں۔

(٧)۔ باب فی تخليل اللحية فی الوضوء. وضو میں داڑھی کے خلال کے بیان میں۔

(٨)۔ باب فی مسح الرأس فی الوضوء. وضو میں سر کے مسح کے بیان میں۔

(٩)۔ باب فی كيفية المسح. مسح کے طریقے کے بیان میں۔

(١٠)۔ باب فی مسح الأذنين. کانوں کے مسح کے بیان میں۔

(١١)۔ باب فی غسل الذراعين. کلائیوں کے دھونے کے بیان میں۔

یہ وہ باب ہے جس سے (بیروت کے) مطبوعہ نسخے کی ابتدا ہوئی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مطبوعہ نسخہ مکمل نہیں بلکہ ناقص ہے اور اس کی ابتدا سے دس باب غائب ہیں۔

قلمی نسخے کی پہلی جلد کا مطبوعہ نسخے کے ساتھ مقابلہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ قلمی نسخہ عام طور پر مطبوعہ نسخے سے زیادہ صحیح ہے، خصوصاً اعظمی صاحب کی تحقیق کے ساتھ چھپنے والے نسخے میں بعض الفاظ محقق کی گرفت میں نہیں آسکے تھے، وہ اس مخطوطے کے ذریعے واضح ہوگئے ہیں۔

مثلاً (باب سؤر المرأة) میں حدیث نمبر ٣٨٤ ہے:

عن ابن جريج قال: قلت لعطاء: لقيت المرأة على الماء.

جب کہ مخطوطے میں ہے (تغيب المرأة) اور یہی صحیح ہے، ایمن ازھری کی تحقیق (١)

---

(١)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "مصنف" پر دو فاضلوں نے تحقیق کی ہے اور دونوں نسخے چھپے ہوئے ہیں۔ ١٢ اشرف قادری

الانسخہ اسی کی تائید کرتا ہے۔

اسی طرح (باب المسح بالرأس) میں حدیث نمبر ۸ کے مطبوعہ نسخے میں یہ الفاظ ہیں عن ابن عمر أنه کان یمسح رأسه مرة) جب کہ مخطوط نسخے میں ہے۔(مرة واحدة)

اسی طرح تحقیق کے ساتھ چھپے ہوئے دونوں نسخوں میں (باب المسح بالأذنین) میں حدیث نمبر ۲۵ کے بعد یہ سند نہیں ہے، جب کہ مخطوط نسخے میں درج ذیل سند موجود ہے۔

(عبدالرزاق عن ابن جریج قال أخبرنی نافع عن ابن عمر مثله)

مخطوطے کی پہلی جلد درج ذیل باب اور حدیث پر مکمل ہوئی ہے، (باب وضوء لمریض) یہ باب مریض کے وضو کے بیان میں ہے، عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے وہ ابن ابی نجیح سے اور وہ مجاہد سے وہ اس آیت کریمہ (وان کنتم مرضٰی أو علی سفر أو جاء احد منکم من الغائط) کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ جسے جنابت لاحق ہو جائے اور اسے پانی کے استعمال کرنے سے جان کا خطرہ ہو تو جس طرح مسافر کو پانی نہ ملے تو اسے تیمم کی اجازت ہے، اسی طرح بیمار کے لیے بھی تیمم کی اجازت ہے۔

ایک باب ہے (باب من قال لا یتوضأ مما مست النار) جو حضرات کہتے ہیں کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم نہیں آتا، اس میں حدیث نمبر ۶۵۴ میں یہ الفاظ ہیں (فیقرب عشاءه) جب کہ مخطوط نسخے میں ہے (فیقرب لنا عشاءه)

(باب الدود یخرج من الانسان) میں حدیث نمبر ۶۳۲ یہ ہے: عبدالرزاق عن الثوری عن رجل عن عطاء (مثله) دونوں مطبوعہ نسخوں میں لفظ (مثله) نہیں ہے، جب کہ مخطوط نسخے میں موجود ہے اور ایمن ازہری نے بھی اس کی نشاندہی کی ہے۔

(باب من قال لا یتوضأ مما مست النار) کی حدیث نمبر ۶۳۴، چھپے ہوئے نسخے میں اس طرح ہے:

"عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن عمرو بن امية الضمری عن ابيه أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم احتزمن كتف فأكل".

لیکن قلمی نسخے میں اس طرح ہے:

"عبدالرزاق عن معمر عن الزهری عن جعفر بن عمرو ابن أمية عن أبيه أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم".

(ایک راوی (جعفر) کا نام شائع ہونے سے رہ گیا ہے، جبکہ قلمی نسخے میں موجود ہے اور یہی صحیح ہے، جیسے کہ "مصنّف" کے محقق ایمن نصر الدین ازہری نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا کہ لفظ (جعفر) اصل نسخے سے غائب ہے، لیکن ہم نے سنن ترمذی اور مسند امام احمد کی مدد سے اسے درست کردیا ہے، اور نسخہ (ع) میں عمرو بن اُميّة ہے، دیکھئے ازہری کی تحقیق والا نسخہ۔ (۱/۱۲۷)

ایک باب ہے (باب من قال لا يتوضأ ممامست النار) اس میں حدیث نمبر ۵۱۱ یہ ہے: عن ابن المنكدر قال: سمعته يحدث عن جابر (أنه كان أكل عمر من جفنة ثم قام فصلى ولم يتوضأ) جب کہ مخطوط نسخے میں ہے (أنه قال: أكل عمر من جفنة) (یعنی اس میں لفظ کان نہیں بلکہ قال ہے) اور یہی صحیح ہے اور عبارت کا سیاق اسی کی تائید کرتا ہے، مصنّف کے محقق ایمن ازہری نے بھی اس کا ذکر کیا ہے دیکھئے۔ (۱/۱۳۱)

(باب الرجل يحدث بين ظهراني وضوئه) چھپے ہوئے نسخے میں حدیث نمبر ۷۰۴ اس طرح ہے: عن ابن جريج قال: قال عطاء: إن توضأ رجلٌ فَفَرغ من بعض أعضائه وبقى بعض فأحدث، وضوء مستقبل.

لیکن قلمی نسخے میں یہ اس طرح ہے: عن ابن جريج قال: قلت لعطاء إن توضأ

جل ففرغ من بعض أعضائه وبقي بعض فأحدث، قال: عليه وضوء مستقبل. (یعنی مطبوعہ نسخے میں ''قال: علیه'' کے الفاظ غائب ہیں)

اور صحیح وہی ہے جو قلمی نسخے میں ہے۔

پھر قلمی نسخے میں ابواب ترتیب وار ہیں اور احادیث ابواب کے مطابق ہیں، جب کہ مطبوعہ نسخے میں باب تو ہے (باب القول اذا فرغ من الوضوء) لیکن اس کے تحت اس شخص سے متعلق احادیث لائی گئی ہیں جس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں، اسی طرح باب ہے اس شخص کے وضو کا جس کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں، اس کے تحت وضو سے فارغ ہونے سے متعلق احادیث درج کردی گئی ہیں۔ اس سے مطبوعہ نسخے کی بے ترتیبی کا پتا چلتا ہے، دیکھئے مطبوعہ نسخہ حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق کے ساتھ (۱/۱۸۵)، البتہ ازہری نے اس غلطی کا ازالہ کردیا ہے (۱/۱۴۵)۔

مخطوط میں ہے: نعیم بن هبار، جب کہ مطبوعہ نسخے میں ہے۔ نعیم بن حمار (۱۰/۱۸۷) کہا جاتا ہے کہ اس راوی کو ابن حمار، ابن هبار، ابن همار، ابن هدار اور ابن خمار کہا جاتا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ''همار'' ہے جیسے کہ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں بیان کیا، ابن حجر نے اصابہ (۱۰/۱۸۷) میں اس کی تائید کی، دیکھئے حدیث نمبر ۷۳۷ (باب المسح علی الخفین و العمامة) (اس میں نعیم بن حمار ہے)

(باب المسح علی الخفین) کے تحت حدیث نمبر ۷۲۶ کے مطبوعہ نسخے میں یہ الفاظ ہیں۔ (فلم أرجع إليه شيئا) جب کہ مخطوط میں ہے: (فلم أرجع إليه في شيء في شان الخفين) اور یہی درست ہے۔

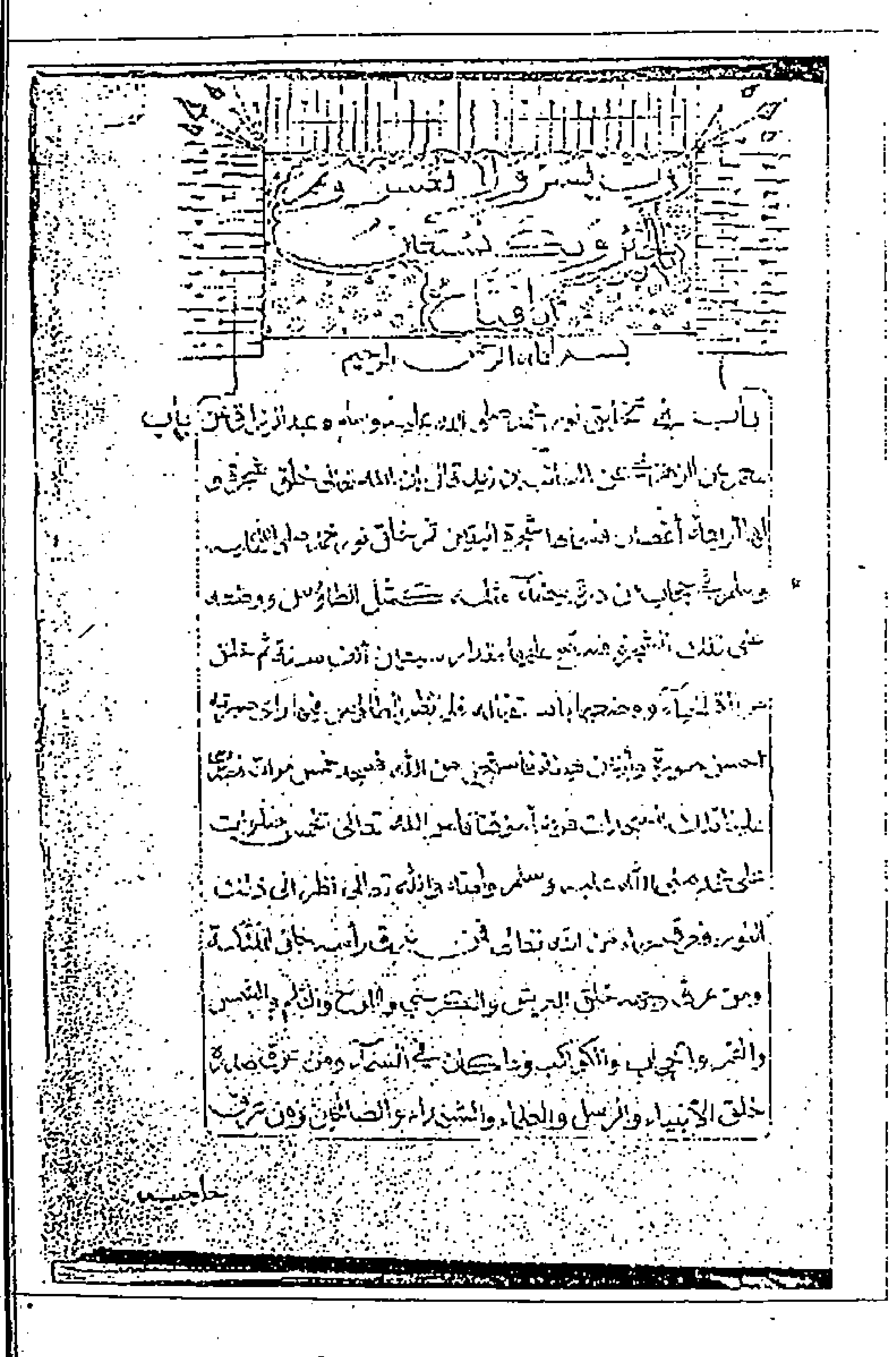
پھر مخطوط کے ہر صفحے پر سولہ سطریں ہیں، جب کہ پہلے صفحے اور مخطوط کے بعض درمیانی

صفحات پر تیرہ تیرہ سطریں ہیں، اور ہر سطر میں گیارہ سے تیرہ تک کلمات ہیں، میں نے پہلی جل
کا مقابلہ کیا تو اس میں ایک بھی لغوی غلطی سامنے نہیں آئی۔

یہ وہ تحقیق ہے جو مخطوط کے مطالعہ کرنے سے ہمارے سامنے آئی ہے، ہمارے سامنے ج
نسخہ ہے اس پر کسی سماع وغیرہ کی نشاندہی نہیں کی گئی، یہ کامل نسخہ ہے، اس کی صرف پہلی او
دوسری جلد میری ملکیت میں ہے، فیصلہ قارئین اور ماہرین پر چھوڑتا ہوں اور ان کے سامنے گ
گشتہ حصہ رکھتا ہوں، امید ہے کہ قارئین کرام مقابلہ کرتے وقت جو نئی بات نوٹ کریں گے
اس سے مجھے مطلع کریں گے، اللہ تعالیٰ ہی ہمارے مقصد کو صحیح طور پر جانتا ہے اور وہ بہترین یا
و مددگار ہے۔

اصل مخطوطه

کے چند صفحات کا عکس



بسم الله الرحمن الرحيم

باب في تخليق نور محمد صلى الله عليه وسلم عبد الرزاق بن همام
معمر عن الزهري عن السائب بن يزيد قال إن الله تعالى خلق شجرة و
لها أربعة أغصان فسماها شجرة اليقين ثم خلق نور محمد صلى الله عليه
وسلم في حجاب من درة بيضاء مثله كمثل الطاووس ووضعه
على تلك الشجرة فسبح عليها مقدار سبعين ألف سنة ثم خلق
مرآة الحياء ووضعها بإزائه فلما نظر الطاووس فيها رأى صورته
أحسن صورة وأزين هيئة فاستحيى من الله فسجد خمس مرات فصارت
علينا تلك السجدات فرضا موقتا فأمر الله تعالى بخمس صلوات
على محمد صلى الله عليه وسلم وأمته والله تعالى نظر إلى ذلك
النور فعرق حياء من الله تعالى فمن عرق رأسه خلق الملائكة
ومن عرق وجهه خلق العرش والكرسي واللوح والقلم والشمس
والقمر والحجاب والكواكب وما كان في السماء ومن عرق صدره
خلق الأنبياء والرسل والعلماء والشهداء والصالحين ومن عرق

حاجبه

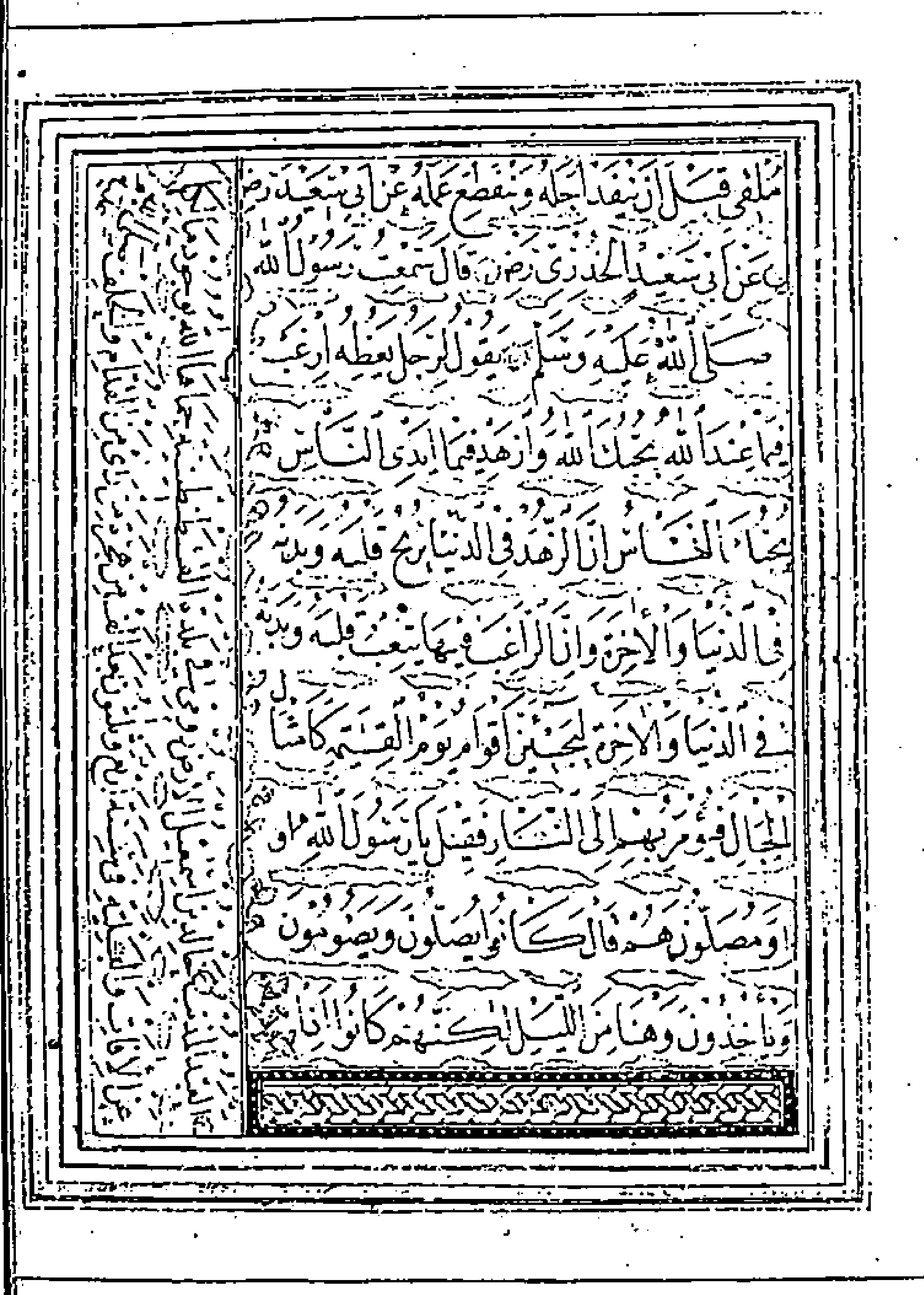
الصفحة الأولى من المخطوطة



Ali Tebrizi
Tezkerelerde adına rastlanmıyan bu hattatın XVI. yüzyılda yaşadığı anlaşılıyor.
(Yazının altında H. 980 (M. 1572) tarihi vardır.

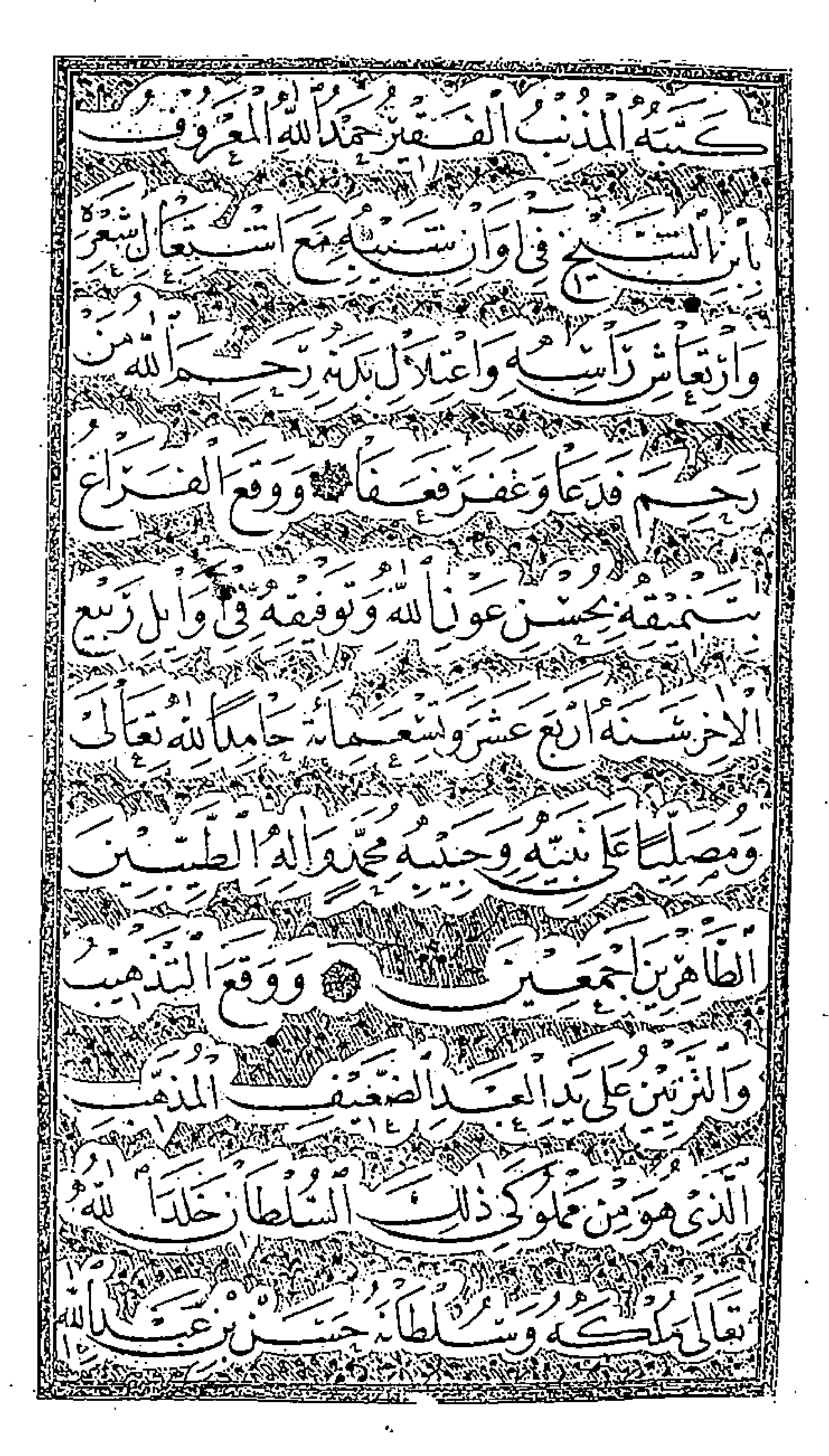
Hümâyunda yetişti. Oradan çıktıktan sonra İkinci Kapucubaşı ve H. 960

min cahilliği yüzünden öldüğü söylenir. Eyüp'de toprağa verilmiştir.



Hâlit Erzurûmî

Devrinin seçkin hat üstadlarından biri idi. Derviş Ali gibi büyük bir hattat ondan feyz alarak yetişmiştir



كتبه المذنب الفقير حمد الله المعروف
بابن الشيخ في اوان سبعينه مع اشتعال شعره
وارتعاش راسه واعتلال بدنه رحم الله من
رحم فدعا وغفر فعفا ووقع الفراغ
بتنميقه بحسن عون الله وتوفيقه في اوائل ربيع
الاخر سنه اربع عشر وتسعمائه حامدا لله تعالى
ومصليا على نبيه وحبيبه محمد واله الطيبين
الطاهرين اجمعين ووقع التذهيب
والتزيين على يد العبد الضعيف المذهب
الذي هو من مملوكي ذلك السلطان خلد الله
تعالى ملكه وسلطانه حسن بن عبد الله

Şeyh Hamdullah'ın nesih hatla yazdığı *Mushaf-ı Şerif*'in ketebe sahifesi. İÜK.A. nr. 6662

ابن جبير قال • عبد الرزاق عن معمر عن ابن ابي نجيح عن
مجاهد قال كان يقول في هذه الآية وان كنتم مرضى او
على سفر او جاء احد منكم من الغائط قال هي للمريض تصيبه
الجنابة اذا خاف على نفسه فله الرخصة في التيمم مثل
المسافر اذا لم يجد الما • تم الجزء الاول من مصنف عبد
الرزاق بن همام الصنعاني ويليه الجزء الثاني
ويبدا بباب اذا لم يجد الماء وقد تم الفراغ
من نسخه ضحى يوم الاثنين التاسع
من شهر رمضان الميمون سنة ثلاث
وثلاثين وتسعمائة من هجرة سيد
المرسلين واكمل الخلق اجمعين
صلى الله عليه وسلم
في بغداد المحروسة على
يد الفقير اسحق ابن
عبد الرحمن السليماني
غفر الله له ولوالديه

الصفحة الأخيرة من المخطوطة

تذکرہ امام عبدالرزاق صنعانی (۱)

نام ونسب اور تعلیم:

حافظ الحدیث امام ابوبکر عبدالرزاق، بن ہمام، بن نافع الحُمَیری الصنعانی الیمنی، ثقہ حفاظ حدیث اور اصحاب تصانیف میں سے تھے، ۱۲۶ھ میں صنعا (یمن) کے علم وفضل اور تقویٰ وطہارت والے گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد یمن کے عبادت گزار اور اولیاء میں سے تھے، انہوں نے ساٹھ سے زیادہ حج کیے۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ یمن ہی میں پلے بڑھے، وہاں کے اکابر علماء مثلاً والد ماجد ہمام بن نافع اور معمر بن راشد سے علم حاصل کیا، سات سال معمر بن راشد سے استفادہ کرتے رہے، پھر علم حاصل کرنے اور تجارت کی غرض سے حجاز مقدس، شام اور عراق چلے گئے۔

مشائخ:

امام عبدالرزاق نے اپنے زمانے کے بہت سے مشائخ سے علم حاصل کیا، اکابر ائمہ سے استفادہ کرنے کے لئے دوسرے شہروں کا سفر کیا اور کثیر التعداد مشائخ سے روایت کی،

---

(۱)۔ان کے تذکرے کے لیے دیکھئے۔

طبقات کبریٰ، ابن سعد (۵/۵۴۸) تاریخ کبیر امام بخاری (۶/۱۳۰) الجرح والتعدیل (۶/۳۸) الثقات، ابن حبان (۸/۴۱۲) میزان الاعتدال (۲/۶۰۹) المغنی (۲/۳۹۳) الکاشف (۲/۱۷۱) تاریخ الاسلام (وفیات ۲۱۱_۲۲۰) تہذیب التہذیب (۲/۵۷۲) تقریب التہذیب (۱۱۸۳) لسان المیزان (۷/۲۸۷) شذرات الذھب (۲/۲۷) الکنی والاسماء، دولابی (۱/۱۱۹) الکامل فی الضعفاء، ابن عدی (۵/۱۹۴۸) رجال صحیح البخاری، کلاباذی (۲/۴۹۶) رجال صحیح مسلم، ابن منجویہ (۲/۸) الجمع بین الصحیحین (۳۲۸) الکامل فی التاریخ (۶/۴۰۶) التبصرۃ (۳/۲۷۰) وفیات الاعیان (۳/۲۱۶) تہذیب الکمال (۱۸/۵۲) البدایہ والنھایہ (۱۰/۲۶۵) شرح علل الترمذی، ابن رجب (۲/۵۷۷) النجوم الزاھرۃ (۲/۲۰۲) التاریخ از ابن معین بروایۃ الدوری (۲/۳۶۲) العیون والحقائق (۳/۳۷۱)

چند اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں: (۱)

(۱)۔ امام حافظ الحدیث معمر بن راشد ازدی، ان کی کنیت ابوعروہ، اور والد کی کنیت ابوعمرو بصری تھی، امام حسن بصری کے جنازے میں شریک ہوئے۔ انہوں نے علم حاصل کیا اور حدیث شریف کی روایت کی۔

ابوحاتم رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''سند حدیث چھ مشائخ پر ختم تھی، معمر نے ان سے ملاقات کی اور ان سے حدیث لکھی، میرے علم میں نہیں ہے کہ معمر کے علاوہ کسی نے ان سب سے حدیث حاصل کی ہو، حجاز سے (۱) زہری اور (۲) عمرو بن دینار، کوفہ سے (۳) ابواسحاق اور (۴) اعمش، بصرہ سے (۵) قتادہ اور یمامہ سے (۶) یحییٰ ابن کثیر۔ معمر کی وفات ماہ رمضان ۱۵۴ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (۲)

(۲)۔ حافظ الحدیث امام ابوعبداللہ سفیان بن سعید ثوری کوفی، اپنے زمانے میں باعمل علماء کے سردار تھے، صحاح ستہ کے مصنفین نے ان کی روایات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کے اساتذہ کی تعداد چھ سو ہے، ان کے شاگردوں اور ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے، حافظ ابوبکر خطیب فرماتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام اور اکابر علماء دین میں سے تھے، ان کی امانت و دیانت پر اجماع ہے، لہٰذا ان کے تزکیے کی ضرورت نہیں ہے، حافظہ اور یادداشت مضبوط تھی، معرفت وسیع، ضبط مستحکم تھا اور صاحب زہد و ورع تھے، ۱۶۱ھ میں بصرہ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (۳)

---

(۱)۔ یاد رہے کہ امام عبدالرزاق امام ابوحنیفہ کے بھی شاگرد ہیں، دیکھئے عقود الجمان از علامہ محمد بن یوسف صالحی شافعی صفحہ ۱۲۶۔ ۱۲ اشرف قادری

(۲)۔ الجرح والتعدیل۔ (۸/۲۵۶)

نوٹ: ان کا تذکرہ دیکھئے: تہذیب التہذیب۔ (۱۰/۱۲۷) تہذیب الکمال (۲۸/۳۰۳) اور سیر اعلام النبلاء۔ (۷/۵)

(۳)۔ تہذیب التہذیب (۲/۵۶) تہذیب الکمال (۱۱/۱۵۴) اور سیر اعلام النبلاء (۷/۲۲۹)

(۳)۔ حافظ الحدیث امام ابو محمد سفیان بن عُیینہ کوفی، علم حدیث حاصل کیا اور نو عمری ہی میں آگے روایت کرنا شروع کر دیا، اکابر علماء ومشائخ سے ملاقات ہوئی اور ان سے وسیع علم حاصل کیا، اسے خوب اچھی طرح محفوظ کیا، تصنیف وتالیف کا کام کیا اور طویل عمر پائی۔

بے شمار مخلوق خدا نے ان سے علم حاصل کیا، سند کی بلندی ان پر ختم تھی، دور دراز کے شہروں سے لوگ سفر کر کے ان کے پاس حاضر ہوتے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان بن عُیینہ سے بڑا عالم اور مفتی نہیں دیکھا، ماہِ رجب ۱۹۸ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے اور حجون میں دفن کئے گئے۔(۱)

(۴)۔ شیخ الاسلام، امام ابو عبداللہ مالک بن انس حِمْیَری اصبحی، امام دارالھجرۃ اور صاحب المؤطا ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، اسی سال رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت انس کی وفات ہوئی، دس سال سے کچھ زیادہ عمر تھی جب انہوں نے علم حاصل کرنا شروع کیا، اکیس سال کی عمر میں انہیں فتویٰ دینے اور مسند تدریس سجانے کے لائق قرار دے دیا گیا، دور دراز سے علم کے پیاسے ان کی خدمت میں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے حاضر ہوئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قریب ہے کہ لوگ دور دراز سے اونٹوں پر سفر کر کے علم حاصل کرنے کے لئے آئیں گے تو انہیں عالمِ مدینہ سے بڑا کوئی عالم نہیں ملے گا۔(۲)

ابن عُیینہ سے عالم مدینہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس سے مراد امام مالک بن انس ہیں، ماہ ربیع الاول ۱۷۹ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (۳)

---

(۱)۔ تہذیب التہذیب (۵۹/۲) تہذیب الکمال (۱۷۷/۱۱) اور سیر اعلام النبلاء (۴۵۴/۸)

(۲)۔ مسند امام احمد (۳۸۵/۱۳) امام ترمذی (۴۷/۵) باب ماجاء فی عالم المدینۃ، مستدرک حاکم۔(۱۶۸/۱) صحیح ابن حبان (۵۳/۹)

(۳)۔ تہذیب التہذیب (۶/۴) تہذیب الکمال (۹۱/۲۷) اور سیر اعلام النبلاء (۴۸/۸)

(۵)۔ حافظ الحدیث امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جُریج اُموی مکی، صاحب تصانیف کثیرہ، کہا گیا ہے کہ وہ پہلے عالم ہیں جنہوں نے مکہ معظمہ میں علم کو مرتب کیا، انہوں نے حضرت عطاء، نافع مولی ابن عمر، عکرمہ وغیرھم سے حدیث روایت کی، صحاحِ ستہ، مسند امام احمد اور معجم طبرانی اور الاجزاء میں ان کی روایات وافر مقدار میں موجود ہیں، امام ابن جریج تہجد گزار اور بکثرت عبادت کرنے والے بزرگ تھے، علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ میں نے غور کیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ سند کا مرکز ومحور چھ حضرات ہیں، ان چھ حضرات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: ''ان حضرات کا علم، اصحاب تصنیف کی طرف منتقل ہوگیا، جن میں سے اہل مکہ میں عبدالملک بن جُریج تھے، ان کی کنیت ابوالولید تھی، ۱۴۹ھ میں انتقال ہوا''۔(۱)

(۶)۔ حافظ الحدیث امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک حنظلی مروزی اکابر علماء میں سے تھے اور اپنے زمانے میں ''امیر المتقین'' تھے، سفر کر کے حرمین شریفین، شام، مصر، عراق، جزیرہ اور خراسان گئے اور ہر جگہ حدیث کی روایت کی، ان کی روایت کردہ حدیث بالاتفاق حجت ہے، ان کی روایات مسانید اور اصول میں موجود ہیں، انہوں نے متعدد مفید کتابیں لکھیں، مثلاً کتاب الزھد والرقائق، کتاب الجھاد اور مسند، حاکم فرماتے ہیں وہ دنیا بھر میں امام العصر اور علم، زہد، شجاعت اور سخاوت میں افضل ترین شخصیت تھے، ماہِ رمضان المبارک ۱۸۱ھ فرات کے کنارے ''ھیت مدینہ'' میں فوت ہوئے، وہاں ان کا مزار مبارک مشہور ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے۔(۲)

(۷)۔ امام ابوعمرو بن عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی اپنے زمانے میں شام کے محدثین اور فقہاء کے امام تھے، بڑے متقی، صاحب فضیلت وامانت اور وسیع علم والے عالم تھے، ان کا مستقل اور

(۱)۔تہذیب التہذیب (۲/۶۱۶) تہذیب الکمال (۱۸/۳۳۸) اور سیر اعلام النبلاء۔(۶/۳۲۵)

(۲)۔((تہذیب التہذیب (۲/۶۱۶) تہذیب الکمال (۱۶/۵) اور سیر اعلام النبلاء (۶/۳۷۸)

مشہور مذہب تھا، اُس پر شام اور اندلس کے علماء نے عمل کیا، پھر وہ ناپید ہوگیا، امام احمد فرماتے ہیں کہ امام سفیان ثوری اور اوزاعی امام مالک کے پاس حاضر ہوئے، جب وہ رخصت ہوئے تو انہوں نے فرمایا: ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی سے علم میں زیادہ ہے، لیکن امامت کے لائق نہیں اور دوسرا یعنی امام اوزاعی امامت کے لائق ہیں، ۱۵۷ھ میں دنیا سے رحلت فرما گئے۔(۱)

(۸)۔ امام زاہد، فضیل بن عیاض بن مسعود تمیمی خراسانی، حرم کعبہ کے معتکف اور دنیا بھر کے اولیاء اور عبادت گزاروں میں سے ایک تھے، سمرقند میں پیدا ہوئے، کوفے میں حدیث شریف لکھی، پھر مکہ معظمہ چلے گئے اور ۱۸۷ھ میں وہاں انتقال ہوا۔(۲)

(۹)۔ فقیہ محدث ابو یزید ثور بن یزید کلاعی حمصی، حمص کے عظیم عالم، ان کی بہت سی روایات بخاری شریف میں ہیں، مضبوط حافظے والے حافظ الحدیث تھے۔ ۱۵۳ھ میں اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں چلے گئے۔(۳)

ان کے چند دوسرے مشائخ کے نام یہ ہیں: اسرائیل بن یونس ابن ابی اسحاق السبیعی الکوفی، جعفر بن سلیمان الضبعی، زکریا بن اسحاق مکی، معتمر بن سلیمان، ابو بکر بن عیاش اور داؤد بن قیس الفراء۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے مشائخ ہیں جن کا تفصیلی ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

تلامذہ:

امام عبدالرزاق سے بے شمار لوگوں نے علم حاصل کیا، جن کا تفصیلی احاطہ کرنا بہت مشکل ہے، چند مشاہیر کا ذکر کیا جاتا ہے۔

---

(۱)۔تہذیب التہذیب (۲/۵۳۷) تہذیب الکمال (۲۸۱/۱۷) اور سیر اعلام النبلاء (۱۰۷/۷)

(۲)۔تہذیب التہذیب (۳/۳۰۰) تہذیب الکمال (۲۸۱/۲۳) اور سیر اعلام النبلاء، (۴۲۱/۸)

(۳)۔تہذیب الکمال (۴۱۸/۴) اور سیر اعلام النبلاء، (۳۴۴/۶)

(۱)۔ شیخ الاسلام امام عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزی، مشہور ائمہ (اور ائمہ اربعہ) میں سے ایک تھے، ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے، پندرہ سال کی عمر میں تحصیل علم میں مصروف ہوئے، یہ وہی سال تھا جس میں امام مالک کی وفات ہوئی، امام شافعی نے فرمایا کہ میں بغداد سے نکلا تو میں نے اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے بڑا عالم، ان سے بڑا فقیہ اور ان سے بڑا کوئی متقی نہیں چھوڑا، ماہِ ربیع الاول ۲۴۱ھ میں ان کا وصال ہوا، وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ ان کی زبان پر نبی اکرم ﷺ کے مقدس بال رکھ دیے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔(۱)

(۲)۔ امام ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد حنظلی مروزی معروف بابن راھویہ، مسلمانوں کے ائمہ اور علماء دین میں سے ایک جلیل القدر عالم اور حفاظِ حدیث کے سردار تھے، علم حدیث و فقہ، حافظہ، صداقت اور زہد و ورع سب چیزیں ان میں جمع تھیں۔ ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے، عراق، حجاز مقدس، یمن اور شام کا سفر کیا، امام ابن خزیمہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر اسحاق تابعین کے زمانے میں ہوتے تو وہ ان کے حافظے، علم اور فقاہت کا اعتراف کرتے، ۲۳۸ھ میں سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔(۲)

(۳)۔ امام ابو زکریا یحیٰی ابن معین بن عون المری البغدادی، اکابر مشاہیر میں سے تھے، اپنے زمانے کے محدثین کے امام تھے اور اپنے معاصرین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے، ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے، حافظ ابوبکر خطیب نے فرمایا: وہ امام، عالم، حافظ الحدیث، ثقہ اور مضبوط حافظے والے تھے، امام بخاری نے فرمایا: ۲۳۳ھ میں ان کی وفات ہوئی اور انہیں نبی اکرم ﷺ کے تختے پر غسل دیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر ۷۷ سال تھی۔(۳)

---

(۱)۔ تہذیب التہذیب (۴۳/۱) تہذیب الکمال (۴۳۷/۱) اور سیر اعلام النبلاء (۱۷۷/۱۱)

(۲)۔ تہذیب التہذیب (۱۱۲/۱) تہذیب الکمال (۳۷۳/۲) سیر اعلام اعلام (۳۵۸/۱۱)

(۳)۔ تہذیب التہذیب (۲۸۹/۴) تہذیب الکمال (۵۴۳/۱۳) اور سیر اعلام النبلا (۷۱/۱۱)

(۴)۔ امام ابوالحسن علی بن عبداللہ ابن جعفر بصری معروف بابن المدینی، یہ عروہ ابن عطیہ سعدی کے آزاد کردہ غلام اور کثیر التصانیف عالم تھے، ان کا علم بڑا وسیع تھا، بصرہ میں ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے، ابو حاتم رازی فرماتے ہیں: ابن المدینی حدیث اور عللِ حدیث کی معرفت کے لحاظ سے لوگوں میں پہاڑ کی حیثیت رکھتے تھے، امام احمد بن حنبل بطور تعظیم ان کا نام نہیں لیتے تھے، بلکہ انہیں کنیت سے یاد کرتے تھے، میں نے کبھی نہیں سنا کہ امام احمد نے ان کا نام لیا ہو، ۲۳۴ھ میں ''سامراء'' میں ان کا وصال ہوا۔(۱)

(۵)۔ امام ابوعثمان عمرو بن محمد بن بکیر الناقد البغدادی، چند حفاظ حدیث میں سے ہیں، ان سے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ، ابو حاتم وغیرھم نے حدیث روایت کی ۲۳۲ھ میں بغداد میں وفات پائی۔(۲)

(۶)۔ امام ابوبکر احمد بن منصور بن سیار رمادی بغدادی، مضبوط حافظے والے حافظ الحدیث تھے، انہوں نے امام عبدالرزاق کی تصانیف کی ان سے روایت کی، انہوں نے اپنی تاریخ میں فرمایا: میں نے امام عبدالرزاق سے ۲۰۴ھ میں علم حاصل کیا، انہوں نے مسند لکھی، ابن مخلد فرماتے ہیں کہ رمادی جب بیمار ہوتے تو وہ بیماری کا علاج یوں کرتے کہ محدثین ان کے پاس بیٹھ کر انہیں احادیث سناتے تھے۔ ۲۶۵ھ میں رحلت فرمائی۔(۳) رحمہ اللہ تعالیٰ

(۷)۔ حافظ الحدیث امام ابوبکر محمد بن ابان بن وزیر بلخی، معروف بہ حَمْدَوَیہ، دس سال سے زیادہ عرصے تک حضرت وکیع کے پاس رہ کر احادیث لکھتے رہے، امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک شخص بلخ سے آیا، جسے محمد بن ابان کہا جاتا تھا، میں نے

---

(۱)۔ تہذیب التہذیب (۳/۱۷۶) تہذیب الکمال (۱۳/۵) اور سیر اعلام النبلاء (۱۱/۴۱)

(۲)۔ تہذیب التہذیب (۳/۳۰۱) تہذیب الکمال (۴۲/۲۱۳) اور سیر اعلام النبلاء (۱۱/۱۴۷)

(۳)۔ تہذیب التہذیب (۱/۴۸) تہذیب الکمال (۱/۴۹۲) اور سیر اعلام النبلاء (۱۲/۳۸۹)

اپنے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے پہچان لیا اور بتایا کہ وہ ہمارے ساتھ عبدالرزاق سے پڑھا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے ان سے حدیث لکھی۔ ۲۴۵ھ میں بلخ میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

امام عبدالرزاق سے روایت کرنے والے بے شمار اہل علم میں سے چند نام یہ ہیں (۱) احمد بن ازہر نیشاپوری (۲) ابومسعود احمد بن الفرات رازی۔ (۳) احمد بن فضالہ نسائی۔ (۴) حسن بن علی خلال۔ (۵) اسحاق بن منصور کوسج۔ (۶) عبد بن حمید اور (۷) محمد بن رافع نیشاپوری وغیرھم۔

ان کے بارے میں ارباب علم کے تاثرات

ابوزرعہ دمشقی، ابوالحسن بن سمیع سے اور وہ احمد بن صالح مصری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ کیا آپ نے عبدالرزاق سے بہتر حدیث جاننے والا کوئی عالم دیکھا؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں، ابوزرعہ کہتے ہیں عبدالرزاق ان علماء میں سے ہیں جن کی حدیث معتبر ہے۔

ابوبکر اثرم امام احمد بن حنبل سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرزاق جو حدیث معمر سے روایت کرتے ہیں وہ میرے نزدیک اِن بصریوں کی روایت سے زیادہ محبوب ہے۔

ابن عدی نے کہا کہ عبدارلزاق کے بہت سے شعبے ہیں اور کثیر التعداد حدیثیں ہیں۔ مسلمانوں کے ائمہ اور مستند علماء سفر کر کے ان کے پاس گئے ہیں اور انہوں نے ان سے احادیث نوٹ کی ہیں، تاہم ان کی نسبت شیعہ ہونے کی طرف کی گئی ہے، انہوں نے فضائل میں کئی حدیثیں روایت کی ہیں جن کی موافقت دوسرے محدثین سے نہیں پائی گئی۔ یہ وہ بڑا

(۱)۔ تہذیب التہذیب (۳/۴۸۷) تہذیب الکمال (۲۴/۲۹۶) اور سیر اعلام النبلاء (۱۱/۱۱۷)

تراض ہے جو ان پر فضائل کی ان احادیث اور بعض لوگوں کے خلاف احادیث کی روایت
رنے کے سلسلے میں کیا گیا ہے، جہاں تک ان کے سچے ہونے کا تعلق ہے تو مجھے امید ہے کہ
ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ان کے بارے میں لکھا ہے: بڑے حافظ الحدیث،
ان کے نامور عالم، مستند اور شیعہ عالم تھے، میزان میں ہے کہ وہ مشہور اور ثقہ عالم تھے۔

ابن حبان نے ''الثقات'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام کیا، حدیثیں
دیکیں اور علمی مذاکرات کئے، جب وہ اپنی یادداشت سے حدیث بیان کرتے تو خطا کر جاتے
تھے، علاوہ ازیں ان میں تشیّع بھی پایا جاتا تھا۔

علامہ ابن حجر ''التقریب'' میں فرماتے ہیں: ثقہ، حافظ الحدیث، اور مشہور مصنف تھے،
آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے تو ان کے حافظے میں تبدیلی آ گئی تھی، شیعہ مائل تھے۔ (وکان
تشیع)

میں کہتا ہوں کہ عبدالرزاق اہل سنت کے امام تھے، ان کا تشیّع محمود تھا اور دلیل شرعی سے
تجاوز نہیں تھا، ان سے نہ تو سب و شتم منقول ہے اور نہ ہی لعنت۔ (۱)

(۱)۔ دور اول میں ''تشیّع'' کے لفظ کا اطلاق اہل بیت کرام سے والہانہ محبت رکھنے والوں پر کیا جاتا تھا، جب کہ خلفاء ثلاثہ
کے بے ادبوں اور گستاخوں کو رافضی کہا جاتا تھا، امام عبدالرزاق کے بارے میں امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ
تعالیٰ فرماتے ہیں: بعض منصفانِ شیعہ مثل عبدالرزاق محدث، صاحب ''مصنّف'' نے باوصف تشیّع تفضیل شیخین اختیار کی اور
کہا جب خود مولا (علی) کرم اللہ وجہہ الاسنیٰ انہیں اپنے نفس کریم پر تفضیل دیتے تو مجھے اس اعتقاد سے کب مفر ہے؟ مجھے یہ
گناہ کیا تھوڑا ہے کہ علی سے محبت رکھوں اور علی کا خلاف کروں؟

(اقامۃ القیامہ، مکتبہ قادریہ، لاہور صفحہ ۱۵ اور الصواعق المحرقۃ از علامہ ابن حجر مکی صفحہ ۶۲)

امام احمد رضا بریلوی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: امام اجل سیدنا امام مالک ﷺ کے شاگرد اور امام اجل سیدنا امام
احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث، احد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام۔

(مجموعہ رسائل (مسئلہ نور و سایہ) طبع لاہور صفحہ ۷) ۱۲۔ شرف قادری

تصانیف

علماء نے بیان کیا ہے کہ امام عبدالرزاق نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

(۱)۔ السنن: فقہ فی الفقہ۔

(۲)۔ المغازی۔

(۳)۔ تفسیر قرآن: ڈاکٹر مصطفیٰ مسلم کی تحقیق کے ساتھ چار جلدوں میں مکتبہ الرشد سے چھپی ہے۔

(۴)۔ الجامع الکبیر: حدیث شریف میں، جو ''مصنَّف'' کے نام سے معروف ہے، ہمارے سامنے اس کا وہ نسخہ ہے جو شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق کے ساتھ فہرستوں سمیت تیرہ جلدوں میں چھپا ہے، اس کے علاوہ ایک نسخہ دار الکتب العلمیۃ بیروت کا چھپا ہوا بھی ہے جو فہرستوں سمیت بارہ جلدوں میں چھپا ہے اور اس پر ایمن نصر الدین ازہری نے تحقیق کی ہے۔

(۵)۔ تزکیۃ الارواح عن مواقع الفلاح۔

(۶)۔ کتاب الصلاۃ۔

(۷)۔ الامالی فی آثار الصحابۃ: یہ چھوٹی سی جلد میں مجدی سید ابراہیم کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ القرآن سے چھپی ہے۔(۱)

وفات

امام عبدالرزاق صنعانی بھرپور علمی اور تصنیفی زندگی گزارنے کے بعد، ۱۵ شوال ۲۱۱ھ کو اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے، اس طرح ان کی عمر پچاسی سال بنتی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

---

(۱)۔ دیکھئے ھدیۃ العارفین (۵/۵۶۶) اور معجم المؤلفین از عمر رضا کحالہ (۵/۲۱۹)۔

حدیث جابر پر الفاظ و بیان کے کمزور ہونے کا الزام لگانے والوں کے بارے میں عظیم الشان علماء کے ارشادات

نورِ مصطفیٰ ﷺ کے ہر مخلوق سے پہلے ہونے سے متعلق حضرت جابر ﷜ کی روایت کردہ حدیث کے بارے میں عصر حاضر کے بعض محدثین نے بڑی باتیں کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ متقدمین اور متاخرین علماء حدیث نے اپنی تصانیف میں تصریح ہے کہ کسی حدیث کو محض الفاظ کی کمزوری یا معنی کی کمزوری کی بنا پر رد نہیں کر دیا جائے گا۔ اس کیلئے انہوں نے اپنی کتابوں میں کچھ شرائط بڑی صراحت کے ساتھ بیان کی ہیں۔

دیکھئے حافظ بغدادی اپنی کتاب ''الکفایۃ'' میں بیان کرتے ہیں کہ دوسری قسم یعنی وہ حدیث جس کا فساد معلوم ہو، اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ عقلیں ان کے موضوع کے صحیح ہونے اور ان میں بیان کردہ دلائل کا انکار کریں، مثلاً اجسام کے قدیم ہونے یا صانع کی نفی کی خبر دی گئی ہو وغیر ذلک، یا وہ ایسی حدیث ہو جو قرآن پاک کی نص یا سنّتِ متواترہ یا اجماع امت کے مخالف ہو یا امور دینیہ میں سے کسی ایسے امر کی خبر دی گئی جس کا جاننا مکلفین پر فرض ہو اور ان کا کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہو، جب ایسی چیز کا بیان ایسے طریقے سے کیا جائے کہ نہ تو اس چیز کا علم بدیہی لازم آئے اور نہ ہی استدلالی تو اس سے بھی اس کا باطل ہونا ثابت ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ مکلفین پر ایسی چیز کا علم فرض نہیں فرماتا جس کا علم خبر منقطع سے حاصل ہو رہا

ہو اور وہ اس قدر ضعیف ہو کہ اس کے صحیح ہونے کا علم نہ تو بدیہی ہو اور نہ ہی استدلالی، اور
اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا کہ بعض وہ عبادات جن کا علم مکلفین پر فرض ہے ان کے بارے میں وا
ہونے والی روایات اس قدر ضعیف ہوں گی اور حدیث کے منقطع ہونے اور اس قدر ضعیف
ہونے کی صورت میں اس کے صحیح ہونے کا علم یقینی ممکن ہی نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے علم
فرضیت ہی ختم فرمادیتا، یا وہ کسی بڑے امر اور عظیم واقعے کی خبر ہو مثلاً کسی علاقے کے تمام لوگ
اپنے امام کے خلاف بغاوت کریں گے، ایسی خبر ایسے طریقے سے مروی ہو جس سے علم یق
حاصل نہ ہو سکے تو اس سے اس خبر کا فساد معلوم ہوگا، کیونکہ عادت اسی طرح جاری ہے کہ ایس
خبریں کثیر لوگوں کی زبانی نقل کی جاتی ہیں۔(۱)

ابن صلاح نے فرمایا: کئی لمبی لمبی حدیثیں وضع کی گئی ہیں، ان کے الفاظ اور معانی
کمزوری ان کے موضوع ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔(۲)

اس پر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد کیا کہ الفاظ کی کمزوری حدیث کے
موضوع ہونے کی دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ روایت بالمعنی جائز ہے، ہاں اگر راوی یہ تصر
کردے کہ یہ بعینہ حدیث کے الفاظ ہیں اور وہ الفاظ فصاحت کے منافی ہوں یا ان کی اعرا
توجیہ کوئی نہ ہو تو یہ موضوع ہونے کی دلیل ہوگا، غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے یہ
کہ حضرت مصنف (ابن صلاح) کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف لفظوں کا کمزور ہونا یا صرف
معانی کا کمزور ہونا موضوع ہونے کی دلیل ہے، بلکہ ان کے کلام کے ظاہر سے یہ معلوم ہو
ہے کہ الفاظ و معانی دونوں کی کمزوری موضوع ہونے کی علامت ہے۔

لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات الفاظ فصیح ہوتے ہیں اور معنی کمزو

(۱)۔ کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ صفحہ ۵۱
(۲)۔ مقدمہ ابن صلاح صفحہ ۸۹

تا ہے (تو اس کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟) لیکن یہ صورت نادر ہوتی ہے اور محض یہ
ورت موضوع ہونے کی دلیل نہیں ہے، ہاں اگر لفظ و معنی دونوں ہی کمزور ہوں تو بقول قاضی
بکر باقلانی یہ موضوع ہونے کی دلیل ہوگی۔(۱)

امام محدث محمد عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: محدثین جو کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ
دیث حسن ہے، تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ظاہرِ سند کو دیکھتے ہوئے ہمیں جو کچھ
علوم ہوا ہے وہ یہ ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ واقع میں اس حدیث کا صحیح ہونا قطعی ہے، کیونکہ
سکتا ہے کہ باوثوق آدمی خطا کر جائے یا بھول جائے۔

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس میں صحیح
ونے کی شرطوں کا پایا جانا ہمیں معلوم نہیں ہو سکا، یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ واقع میں جھوٹ
ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک جھوٹا شخص سچ بیان کر رہا ہو یا کثرت سے خطا کرنے والا درست
ات بیان کر رہا ہو، یہ وہ قول صحیح ہے جس کے اکثر اہلِ علم قائل ہیں، اسی طرح عراقی کی شرح
الفیہ وغیرہ میں ہے۔(۲)

شیخ محدث سید احمد بن الصدیق الغماری "فتح الملک العلی بصحة حديث
باب مدينة العلم علی" ﷺ میں فرماتے ہیں کہ کسی حدیث پر جو یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ
"منکر" ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے تو اس کی پہچان کی چند صورتیں ہیں۔

ایک وجہ تو وہ ہے جو ظاہر و باہر ہے اور اس کو ہر وہ شخص پہچان سکتا ہے جسے حدیث کا فہم
حاصل ہے، مثلاً لفظ و معنی دونوں کا کمزور ہونا۔ نیز اس کا لایعنی باتوں پر مشتمل ہونا، کسی معمولی
کام پر سخت ترین وعید کا بیان کرنا یا کسی معمولی کام پر عظیم ترین وعدے کا بیان کرنا وغیرہ امور جو

(۱)۔ النکت لابن حجر (۸۴۴/۲) اور توضیح الافکار از امام صنعانی (۹۴/۲)

(۲)۔ الرفع والتکمیل (۱۳۶) اور شرح الفیہ للعراقی (۱۵/۱)

کتب موضوعات اور اصول حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔

دوسری وجہ مخفی ہوتی ہے جسے تجربہ کار محدث ہی جان سکتا ہے، اور اس میں دو امر اہم ہیں۔

پہلا امر یہ ہے کہ ایک مجہول یا مستور راوی روایت کرنے میں منفرد ہو، یا ایک راوی حفظ اور شہرت کے اس مقام تک نہ پہنچا ہو کہ جس روایت میں کسی دوسرے راوی کا شریک ہو ضروری ہو اسمیں اس کا منفرد ہونا قابل برداشت ہو، یا اس کی اصل میں مطلقاً تفرد پایا گیا ہو مشہور حفاظ میں سے کسی ایک شیخ کی نسبت تفرد پایا جائے، جیسے امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمے میں فرمایا ہے کہ ایک محدث کسی حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہو تو اس کے قبول کرنے کے بارے میں اہل علم کا جو مذہب ہمیں معلوم ہے وہ یہ ہے کہ وہ ثقہ علماء اور حفاظ کی روایت کردہ حدیث کے کچھ حصے میں بھرپور موافقت کرے، اس کے بعد اگر وہ کچھ حصہ روایت کرے جو اس کے ساتھیوں کے پاس نہیں ہے تو اس کی زیادتی قبول کی جائے گی۔

امام زہری جلیل القدر محدث ہیں اور ان کے بہت سے شاگرد حافظ الحدیث بھی ہیں اور ان کی روایات کے علاوہ دوسرے محدثین کی روایات کو بھی خوب محفوظ کرنے والے ہیں، اسی طرح ہشام بن عروہ نامور محدث ہیں، ان دونوں کی روایات اہلِ علم کے نزدیک معروف و مقبول ہیں، ان کے شاگردوں نے ان کی اکثر روایات بالاتفاق نقل کی ہیں، اب اگر کوئی شخص ان دونوں سے یا [illegible] میں سے ایک سے چند ایسی حدیثیں روایت کرے جنہیں ان کا کوئی شاگرد بھی نہیں جانتا، اور وہ ان کے پاس صحیح احادیث میں شریک بھی نہیں ہے تو ایسے لوگوں کی حدیث کا قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ محدثین ایک راوی کو اس قسم کے الفاظ کے ساتھ ضعیف قرار دیتے ہیں کہ اس نے ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن کے ساتھ موافقت نہیں کی جاسکتی یا وہ ثقہ حضرات سے ایسی غریب حدیثیں روایت کرتا ہے جن میں وہ منفرد ہے، یہاں تک کہ وہ

مشائخ سے ایسی احادیث بیان کرتا ہے جو ان کی روایت سے معروف نہیں ہیں، وہ حدیثیں اگر چہ اپنی جگہ صحیح بلکہ متواتر ہی کیوں نہ ہوں، لیکن محدثین مذکورہ بالاقسم کے راویوں کی روایت کو ضعیف اور جھوٹ قرار دیتے ہیں، مثلاً امام دارقطنی نے غرائب امام مالک میں سے ایک حدیث ابوداؤد اور ابراہیم بن فہد کے حوالے سے بیان کی، انہوں نے قعنبی سے، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر سے، انہوں نے مرفوعاً بیان کیا کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے، امام دارقطنی نے فرمایا کہ یہ حدیث باطل ہے۔ (یعنی اس سند سے)

اسی طرح وہ حدیث جسے احمد بن عمر بن زنجویہ نے ہشام بن عمار سے، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا۔ سمندر کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مرا ہوا جانور (مچھلی) حلال ہے، اس حدیث کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا کہ اس سند سے باطل ہے۔

ایک حدیث احمد بن محمد بن عمران کے حوالے سے نقل کی، انہوں نے عبداللہ ابن نافع صائغ سے، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے نافع سے، انہوں نے ابنِ عمر سے مرفوعاً روایت کیا کہ ہماری اس مسجد میں ایک نماز ہزار نماز سے افضل ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ اس سند سے ثابت نہیں ہے، اور احمد بن محمد مجہول ہے۔

ایسے ہی وہ حدیث جسے حسن بن یوسف سے روایت کیا، انہوں نے بحر بن نصر سے، انہوں نے ابن وہب سے، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کیا: آگ سے بچو اگر چہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہو، اس حدیث کے بارے میں دارقطنی نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے اور اس سند سے صحیح نہیں ہے۔ اور جب اس حدیث کو حافظ عراقی نے میزان کے ذیل میں نقل کیا تو اس کے بعد فرمایا: اس حدیث

کے دوسرے راوی ثقہ ہیں، لیکن اس سند کے راوی پر عمداً یا وہماً ثقہ کی مخالفت کی تہمت ہے۔

حالانکہ یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں اور سمندر والی روایت کے علاوہ باقی حدیثیں صحیحین میں روایت کی گئی ہیں، سمندر والی روایت مؤطا امام مالک میں ہے، اوراس کی متعدد سندیں ہیں جن کی بنا پر بعض حفاظِ حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس کے بعد علامہ احمد بن الصدیق غماری نے فرمایا:

دوسرا امر یہ ہے کہ وہ حدیث اصول اور مشہور و معروف منقول کے خلاف ہو، جیسے ابن جوزی نے بعض محدثین سے روایت کیا کہ جب تم دیکھو کہ کوئی حدیث معقول، منقول یا اصول کے مخالف اور متصادم ہے تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔

جب محدثین ایسی حدیث پاتے ہیں تو اس کے موضوع ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں اگرچہ اس کے راوی ثقہ ہی ہوں، یا وہ حدیث کی صحیح کتاب میں روایت کی گئی ہو، مثلاً وہ حدیث جسے امام مسلم نے عکرمہ ابن عمار سے، انہوں نے ابوزمیل سے، انہوں نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ مسلمان ابوسفیان کی طرف دیکھتے نہیں تھے اور نہ ہی ان کے پاس بیٹھتے تھے، چنانچہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آپ مجھے تین سعادتیں عطا فرمادیں، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس عرب کی حسین ترین خاتون، میری بیٹی ام حبیبہ ہے، میں اس کا نکاح آپ سے کرتا ہوں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا صحیح ہے (الحدیث) یہ حدیث واقع کے خلاف ہے، کیونکہ تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کے اظہارِ اسلام سے پہلے ان کی صاحبزادی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا تھا، اس میں محدثین اور علماءِ سیرت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اسی لئے ابن حزم اور ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، ایک جماعت نے اس کے متعدد جواب دئے ہیں لیکن ان میں کوئی جواب بھی ایسا نہیں جو کانوں کو اچھا لگے، ابن قیم نے وہ تمام جوابات جلا

الافہام میں بیان کئے ہیں اوران کابطلان بیان کیا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ روایت موضوع ہے جو قصداًاور عمداًنہیں بلکہ سہواور غلطی سے اس کتاب میں آگئی ہے، اس قسم کی موضوع روایتیں صحیحین میں موجود ہیں، جیسے حافظ شمس الدین ابن جزری نے ''المصعد الاحمد'' میں ابن تیمیہ سے نقل کیا کہ موضوع کا مطلب وہ حدیث ہے کہ اس میں جس چیز کی خبر دی گئی ہواس کا معدوم ہونا یقینی طور پر معلوم ہو، اگر چہ اسے بیان کرنے والے نے دیدہ دانستہ جھوٹ نہ بولا ہو، بلکہ غلطی سے اسے بیان کر دیا ہو، موضوع کی یہ قسم مسند، بلکہ سنن ابوداؤداور نسائی میں بھی موجود ہے، صحیح مسلم اور بخاری میں بھی اس قسم کے بعض الفاظ موجود ہیں۔

اسی طرح امام بخاری ومسلم نے جو شریک سے حدیث اسراء ومعراج روایت کی ہے اس میں کئی ایسے اضافے ہیں جو باطل ہیں اور جمہور کی روایت کے مخالف ہیں، ان میں شریک کو وہم ہوا ہے، تاہم امام مسلم نے اس کی سند تو بیان کی ہے، لیکن الفاظ نقل نہیں کئے، اسی طرح وہ حدیث جسے امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن ابراہیم اپنے چچا آذر سے اس حال میں ملاقات کریں گے کہ اس کے چہرے پر سیاہی اور غبار چھایا ہوا ہوگا۔(الحدیث)

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے اُے میرے رب! بے شک تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن بے وقار نہیں فرمائے گا، میرا چچا تیری رحمت سے بعید ہے، اس سے بڑی بےکی میرے لئے کیا ہوگی؟ (الحدیث)

محدثین نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ) ابراہیم نے اپنے چچا کیلئے جو استغفار کیا تھا، وہ محض اس لئے تھا کہ انہوں نے اس سے وعدہ کیا

تھا اور جب اُن پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بری ہو گئے۔

اسماعیلی نے کہا کہ اس حدیث کے صحیح ہونے میں اس اعتبار سے اشکال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا، تو وہ اپنے چچا کی حالت کو وقار کے خلاف کس طرح قرار دیں گے؟ جبکہ انہیں اچھی طرح اس بات کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کا خلاف نہیں ہو سکتا۔

اگر چہ حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے، دیکھئے فتح الباری تفسیر سورہ شعراء۔

اسی طرح یعقوب بن سفیان نے زید بن خالد جہنی کی اس روایت پر اعتراض کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق ﷺ نے فرمایا: ابو حذیفہ! اللہ کی قسم! میں منافقین میں سے ہوں، یعقوب نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔

لیکن یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت فاروق اعظم نے یہ بات غلبۂ خوف کے وقت اور تدبیر الٰہی سے محفوظ نہ ہونے کے تصور کے تحت یا بطور تواضع کہی تھی، جیسے کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمے میں بیان کیا۔

اسی طرح امام مسلم نے حضرت ہریرہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن مٹی کو پیدا کیا، اس کے بعد دوسرے دنوں کا ذکر کیا۔ ناقدین حدیث نے اسے بھی موضوع قرار دیا، کیونکہ یہ قرآن کی نص کے خلاف ہے، قرآن پاک میں ہے کہ کائنات چھ دنوں میں پیدا کی گئی، نہ کہ سات دنوں میں، مؤرخین کا اس پر اجماع ہے کہ ہفتے کے دن کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی، امام بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' میں اس کی علت کی نشاندہی کی ہے، بعض امور کی طرف ابن کثیر نے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اشارہ کیا ہے، اور یہ بھی بیان کیا کہ بعض راویوں نے غلطی سے اسے مرفوعاً روایت کر دیا ہے، دراصل حضرت ابو ہریرہ نے یہ روایت حضرت کعب الاحبار سے سنی تھی۔

اس کے علاوہ اس قسم کے بعض الفاظ صحیحین میں واقع ہوئے ہیں، ابن حزم نے اس طرح کے بہت سے الفاظ کی نشاندہی کی ہے۔

صحیحین کے علاوہ تو بہت ساری روایات ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص پانچ سو سال پہاڑ کی چوٹی پر عبادت کرتا رہا، اسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے میری دی ہوئی نعمتوں اور علم کا حساب کرو، فرشتے دیکھیں گے کہ صرف بینائی کی نعمت ہی اسے پانچ سو سال حاصل رہی، باقی جسم کی نعمتیں اس کے علاوہ تھیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میرے بندے کو آگ میں ڈال دو۔ (الحدیث) علامہ ذہبی نے کہا کہ یہ روایت باطل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ) تم ان اعمال کے سبب جو کرتے رہے ہو جنت میں داخل ہو جاؤ، اس بات کا تذکرہ انہوں نے میزان الاعتدال میں سلیمان بن ہرم کے تذکرے میں کیا۔

اس کے بعد شیخ ابن الصدیق فرماتے ہیں:

حافظ ابن حجر نے مشہور فقیہ ابن بطہ حنبلی کے جھوٹ اور اس اضافے کے موضوع ہونے پر استدلال کیا ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ کی موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی کی حدیث میں کیا ہے، وہ اضافہ یہ ہے: (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا) ''یہ کون عبرانی ہے جو میرے ساتھ گفتگو کر رہا ہے'' وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کسی مخلوق کے مشابہ نہیں ہو سکتا (تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیسے شبہہ ہو گیا؟) ان سے پہلے ابن جوزی نے بھی یہی بات کہی ہے۔

ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت لائے ہیں کہ مہر نبوت بندوق کی گولی کی طرح گوشت تھا، جس پر لکھا ہوا تھا ''محمد رسول اللہ'' علامہ ابن جوزی اور ذہبی نے اس کے باطل ہونے پر استدلال کیا کہ یہ مہر نبوت کی صفت بیان کرنے والی احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ "جو شخص یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے"۔ حافظ سیوطی نے اس کے باطل ہونے پر یہ استدلال کیا کہ یہ مقولہ تو صحابۂ کرام اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے، اس مسئلے پر انھوں نے ایک رسالہ "اعذب المناهل" لکھا اور اس کے شواہد "الصواعق علی النواعق" میں بیان کئے۔

ابن جوزی نے اپنی کتاب "موضوعات" میں اس طریقے سے بہت سی حدیثوں پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے، ذہبی کہتے ہیں کہ ان سے پہلے جوزقانی نے اپنی "موضوعات" میں یہی طرزِ عمل اختیار کیا ہے کہ کچھ احادیث کو اس لئے باطل اور کمزور قرار دیا ہے کہ وہ صحیح حدیثوں کے مخالف ہیں، ان کی کتاب کا موضوع ہی یہی ہے جس کا انھوں نے نام رکھا ہے "الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاهیر" وہ پہلے ایک باطل حدیث بیان کرتے ہیں، اس کی علّت بیان کرتے ہیں پھر کہتے ہیں: "باب فی خلاف ذلک" یہ بات اس حدیث کے خلاف ہے، پھر حدیث صحیح بیان کرتے ہیں جس کا ظاہر اس حدیث کے خلاف ہوتا ہے، ذہبی نے کہا ان کی بہت سی تنقیدوں پر اعتراضات ہیں۔

اسی طرح حافظ سیوطی نے اپنی تصنیف "اللآلی المصنوعة" کی ابتدا میں ان کے اس انداز کا تذکرہ کیا ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی اور آپ کو معلوم ہوگیا کہ بعض اوقات راوی پر اس لئے جرح کی جاتی ہے کہ وہ منکر اور موضوع حدیثیں روایت کردیتے ہیں اور منکر اور موضوع ہونے کا علم ان کے تفرد (تن تنہا روایت کرنے) اور اصول کی مخالفت سے ہوتا ہے، اب یہ بھی جان لیجئے کہ بعض اوقات تمام یا بعض ناقدین تشدّد اور غلو کا مظاہرہ بھی کرجاتے ہیں اور ہر تفرد کو منکر قرار دے دیتے ہیں یا ہر اس راوی کو ضعیف قرار دے دیتے ہیں جس سے تفرد صادر ہوا ہو اور بعض تو اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ اس حدیث کو ہی جھوٹ قرار دیتے ہیں اور یہ طریقہ

باطل اور مردود ہے۔

بعض ناقدین اس لئے ایک راوی کو مجروح قرار دے دیتے ہیں کہ اس نے ایک منکر حدیث روایت کی ہے، تنقید کو اتنی وسعت دینا بھی باطل اور مردود ہے۔ علامہ ذہبی نے احمد ابن سعید بن سعدان سے نقل کیا کہ انہوں نے احمد بن عتاب مروزی کے بارے میں کہا: وہ صالح شیخ ہیں جنہوں نے فضائل اور منکر احادیث روایت کی ہیں، اس کے بعد ذہبی کہتے ہیں کہ ہر وہ راوی جو منکر حدیث روایت کرے ضعیف نہیں ہوتا، پھر خود ذہبی کی توجہ اس طرف نہ رہی اور انہوں نے میزان الاعتدال میں حسین بن فضل بجلی کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا میں نے ان کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں دیکھا، لیکن حاکم نے ان کے ترجمہ میں متعدد منکر روایتیں بیان کی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے لسان المیز ان میں ذہبی کا تعاقب کیا اور فرمایا: اس عالم کے اس کتاب میں ذکر کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے، کیونکہ وہ اکابر اہل علم و فضل سے ہیں (کچھ گفتگو کے بعد فرمایا) جیسے کہ بعض ناقدین گمان کرتے ہیں کہ چونکہ فلاں راوی اس حدیث کی روایت کرنے میں منفرد ہے، اس لئے تو اس حدیث کو اس کی منکر روایات میں شمار کر دیتے ہیں اور اس کے سبب اس پر جرح کرتے ہیں، حالانکہ واقع میں وہ اعتراض سے بری ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث کی روایت میں اس کے متابع موجود ہوتے ہیں، لیکن تنقید کرنے والوں کو اس کا علم نہیں ہوتا، اگر انہیں متابعت کرنے والوں کا علم ہوتا تو اس راوی پر جرح نہ کرتے۔ اور یہ بات بکثرت موجود ہے، اس کی تمام مثالیں تو کیا اکثر مثالیں بھی بیان کی جائیں تو طوالت ہو جائے گی۔

ابو حاتم نے ابن عمرو کے بارے میں کہا کہ وہ مجہول ہے اور جس حدیث کو اس نے بیان کیا ہے باطل ہے۔ حافظ ابن حجر نے مقدمہ میں اس پر تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ وہ مجہول

نہیں ہے اور حدیث کا دارومدار اس پر نہیں ہے، کیونکہ وہ اس کے روایت کرنے میں منفرد نہیں ہے، جس طرح دار قطنی نے "المؤتلف و المختلف" میں بیان کیا۔

بعض اوقات کوئی نقاد، راوی پر منفرد ہونے کی بنا پر جرح کرتا ہے، پھر اسے دوسرا راوی موافقت کرنے والا مل جاتا ہے، تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ جس راوی پر اس نے جرح کی تھی وہ اس سے بری ہے، پھر اس کی توثیق کر دیتا ہے، مثلاً حاکم نے مستدرک میں امام حسین کی شہادت کی حدیث کے بارے میں کہا کہ میں طویل عرصہ تک یہی گمان کرتا رہا کہ ابونعیم سے یہ حدیث روایت کرنے میں مسمی اکیلے ہیں، یہاں تک کہ یہی حدیث ہمیں ابو محمد سبیعی نے بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ ابن محمد بن ناجیہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں حمید بن ربیع نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ حدیث ابونعیم نے بیان کی۔ (یہاں تک کہ انہوں نے کہا) بعض اوقات ناقدین اس لئے جرح کرتے ہیں کہ راوی کی روایت کردہ حدیث منکر اور اصول کے مخالف ہے، حالانکہ واقع میں وہ حدیث اس طرح نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دو متعارض حدیثوں کے درمیان تطبیق تک ان کی رسائی نہیں ہوتی حالانکہ معارض حدیث کو موضوع اس وقت قرار دیا جائے گا جب تطبیق نہ دی جا سکے، جیسے کہ اصول میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دو حدیثیں آپس میں متعارض ہیں، حالانکہ نفس الامر میں تعارض نہیں ہوتا۔ ایسا بھی ناقدین کے ہاں کثرت سے ہوتا ہے، سید احمد غماری کا کلام کس قدر اختصار کے ساتھ ختم ہوا۔ (۱)

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کی سند صحیح ہو تو اس

---

(۱)۔ "فتح الملک العلی بصحۃ حدیث باب مدینۃ العلم علی" رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صفحہ ۸۰ سے صفحہ ۹۰ تک مختصراً) از محدث علامہ سید احمد بن الصدیق الغماری۔

پر فوراً منکر اور باطل ہونے کا اعتراض جڑ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ غور وفکر اور مختلف روایتوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے اور بعض اوقات ایک شخص کو وہ بات سمجھ آجاتی ہے، جو دوسرے کو سمجھ نہیں آتی۔

اسی لئے ہمارے شیخ محدث سید عبدالعزیز ابن الصدیق الغماری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس گفتگو کی تائید کرتے ہوئے فرمایا جب ایک حدیث کی سند صحیح ہو اور اہل فن کے نزدیک طے شدہ قواعد کے مطابق ثابت ہو تو اس کے بعد یہ بات کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتی کہ وہ اس حدیث کے الفاظ کو محض اس لئے غریب قرار دے کہ اس کی عقل اسے سمجھنے سے قاصر ہے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ راسخین فی العلم علماء کے طریقے کے مطابق کہے کہ میں نے اسے سنا اور سر تسلیم خم کیا، اور اگر انسان ہر حدیث میں اپنی عقل کو دخل دینے لگے تو وہ کسی بھی حدیث کی تصدیق نہیں کرے گا اور اس پر ایمان نہیں لائے گا، یوں اس کی دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد ہوگی۔

حدیث شریف: "مَنْ عادیٰ لِی ولیا فقد آذنته بالحرب". "جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی رکھی میری طرف سے اس کے لئے اعلانِ جنگ ہے"۔ اس حدیث کے سلسلے میں علامہ ذہبی پر رد کرتے ہوئے شیخ محدث سید عبدالعزیز غماری فرماتے ہیں کہ ذہبی یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صرف اسی سند سے روایت کی گئی ہے، مجھے معلوم نہیں کہ اس بات سے ان کا مقصد کیا ہے؟ کیا ان کا مقصد یہ ہے کہ حدیث صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کی سندیں متعدد ہوں اور وہ متعدد کتب میں روایت کی گئی ہو، اگر یہ مقصد ہے تو اس شرط پر کوئی محدث بھی ان کے ساتھ موافقت نہیں کرے گا، بلکہ ان کے نزدیک صحیح حدیث وہ حدیث ہے جسے ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راوی سے روایت کرے اور اس میں شذوذ اور علت خفیہ نہ پائی جائے، محدثین نے حدیث کے صحیح ہونے کیلئے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ فرد نہ ہو۔

صحیح بخاری کی پہلی حدیث دیکھ لیجئے جس پر اکثر احکام شرعیہ کا دارومدار ہے۔ یعنی حدیث شریف (اِنَّـمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ) یہ حدیث فرد اور غریب ہے اس کی متعدد سندیں صرف یحییٰ ابن سعید انصاری سے ہیں، اس کے باوجود کسی محدث نے نہیں کہا کہ یہ اس بنا پر معلّل ہے، بلکہ امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور امت مسلمہ نے اسے صرف قبول ہی نہیں کیا، بلکہ اسے احکامِ شریعت کے اصول میں سے شمار کیا ہے، اس لئے ذہبی کا یہ کہنا کہ ''یہ متن صرف اس سند سے روایت کیا گیا ہے'' باطل ہے۔

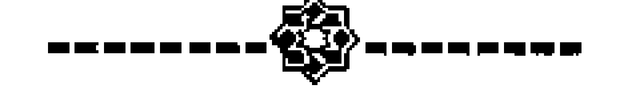
علامہ سید عبدالعزیز نے مزید فرمایا کہ کسی محدث نے حافظ کے لئے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ کبھی بھی غلطی نہ کرے اور کبھی بھی وہم کا شکار نہ ہو، اور کبھی کسی ثقہ راوی کی مخالفت نہ کرے، اگر وہ یہ شرط لگاتے تو کبھی کسی بڑے سے بڑے محدث کو حافظ کا لقب نہ دیا جا سکتا، کیونکہ یہ شرط انسانی طاقت سے باہر ہی نہیں، محال بھی ہے، ہاں ارباب عقول کے نزدیک قابل قبول اور عام اہلِ فن (محدثین) کے نزدیک مسلّم ایک ہی شرط ہے اور وہ یہ کہ راوی کی درستی اس کی غلطی سے اور اس کا ضبط اس کے وہم سے زیادہ ہو، اسی طرح ثقہ محدثین کے ساتھ مخالفت کی نسبت اس کی موافقت زیادہ ہو، یہ وہ شرط ہے جو محدثین نے صاحب حفظ و ضبط راوی کے بارے میں لگائی ہے، جب کوئی راوی اس صفت کا حامل پایا جائے تو وہ ان کے نزدیک حافظ بھی ہوگا اور ضابط بھی، اس کے باوجود اگر وہ چند احادیث میں مخالفت بھی کر جائے تو اسے نقصان نہیں ہوگا، یہ وہ مسئلہ ہے جو کتب فن (اصولِ حدیث) میں طے شدہ ہے، اللہ ہی صحیح راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔(۱)

یہ تھا سید عبدالعزیز محدث کا کلام جسے ہم نے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے، اس سے یہ

---

(۱)۔ اثبات المزیۃ بابطال کلام الذھبی فی حدیث من عادی لی ولیا (صفحہ ۱ سے صفحہ ۷ تک) از سید محدث عبدالعزیز بن الصدیق۔

بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حدیث کے بعض الفاظ پر منکر ہونے کا الزام لگانا بہت مشکل ہے، اور یہ صرف ماہر اور بیدار مغز محدث ہی کا کام ہے، اس لئے اگر کسی شخص کو کسی لفظ میں اشکال پیش آجائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ فوراً اس کا انکار نہ کردے، بلکہ توقف کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، کیونکہ ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔



مصنّف عبدالرزاق

کے گم شدہ ابواب

﴿اردو ترجمہ﴾



اے میرے رب! آسانی عطا فرما، دشواری پیدا نہ فرما اور خیر کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا اور اے مشکلات کے دروازے کھولنے والے ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

کتاب الایمان (۱)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور کی تخلیق کے بیان میں

(۱) عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے۔ (۲) وہ زہری سے۔ (۳) اور وہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک درخت پیدا فرمایا جس کی چار شاخیں تھیں، اس کا نام ''یقین کا درخت'' رکھا، پھر نور مصطفیٰ ﷺ کو سفید موتی کے پردے میں پیدا کیا جس کی مثال مور ایسی تھی اور اس قندیل کو اس درخت پر رکھا، نورِ مصطفیٰ ﷺ نے اس درخت پر ستر ہزار سال کی مقدار اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی، پھر اللہ تعالیٰ نے حیا کا آئینہ پیدا فرمایا اور اس کے سامنے رکھ دیا، جب مور نے اس میں دیکھا تو اسے اپنی صورت انتہائی حسین و جمیل دکھائی دی، اس نے اللہ تعالیٰ سے شرما کر پانچ مرتبہ سجدہ کیا، تو وہ سجدے ہم پر پانچ وقتوں میں فرض ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ اور آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض فرما دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس نور کی طرف نظر فرمائی تو اللہ سے حیا کی وجہ سے اس نور کو پسینہ آ گیا، چنانچہ آپ کے سر مبارک کے پسینے سے فرشتے، چہرۂ اقدس کے پسینے سے عرش، کرسی، لوح و قلم، شمس و قمر، حجاب، ستارے اور جو کچھ آسمان میں ہے پیدا کیا گیا، آپ کے سینۂ مبارک کے

پسینے سے انبیاء، رسل، علماء، شہداء اور صالحین پیدا کیے گئے، آپ کے ابروؤں کے پسینے سے مومن مردوں اور عورتوں، مسلمان مردوں اور عورتوں کی جماعت پیدا کی گئی، آپ کے کانوں کے پسینے سے یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں وغیرہم کی روحیں پیدا کی گئیں، آپ کے پائے اقدس کے پسینے سے مشرق کی زمین اور جو کچھ اس میں ہے پیدا کیا گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نورِ مصطفیٰ ﷺ کو حکم دیا کہ آگے کی جانب دیکھئے، نورِ مصطفیٰ ﷺ نے آگے کی طرف دیکھا تو آگے نور دکھائی دیا، پیچھے بھی نور، دائیں جانب بھی نور اور بائیں جانب بھی نور دکھائی دیا، یہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔

پھر اس نور نے ستر ہزار سال تسبیح پڑھی، پھر اللہ تعالیٰ نے نورِ مصطفیٰ ﷺ سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نور پیدا کیا، پھر اس نور کی طرف نظر کی تو ان کی روحوں کو پیدا کیا تو انہوں نے پڑھا: "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پھر اللہ تعالیٰ نے سرخ عقیق کی قندیل پیدا کی، جس کے باطن سے اس کا ظاہر دکھائی دیتا تھا، پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دنیا کی صورت جیسی صورت پیدا کی، اور اسے قیام کی حالت میں اس قندیل میں رکھا، اس کے بعد روحوں نے نورِ مصطفیٰ ﷺ کے گرد تسبیح اور کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے ایک لاکھ سال طواف کیا۔ پھر ان سب کو حکم دیا کہ اس صورت مقدسہ کی زیارت کریں، بعض نے آپ کا چہرۂ انور دیکھا تو وہ امیر عادل بن گئے، بعض نے آپ کی آنکھیں دیکھیں تو وہ کلام اللہ کے حافظ بن گئے، بعض نے آپ کے ابرو دیکھے تو وہ خوش بخت بن گئے، بعض نے آپ کے رخسار دیکھے تو وہ محسن اور عقل مند بن گئے۔

بعض نے آپ کی ناک دیکھی تو وہ حکیم، طبیب اور عطار بن گئے، بعض نے آپ کے ہونٹ دیکھے تو خوبصورت چہرے والے اور وزیر بن گئے، بعض نے آپ کا دہن مبارک دیکھا تو وہ روزے دار بن گئے، بعض نے آپ کے دانت مبارک دیکھے تو وہ حسین چہروں والے مرد

عورتیں بن گئے بعض نے آپ کی زبان اقدس دیکھی تو وہ بادشاہوں کے سفیر بن گئے، بعض نے آپ کے بابرکت گلے کو دیکھا تو وہ واعظ، مؤذن اور نصیحت کرنے والے بن گئے، بعض نے آپ کی داڑھی شریف دیکھی تو مجاہد فی سبیل اللہ بن گئے۔ بعض نے آپ کی متوازن گردن دیکھی تو وہ تاجر بن گیا۔

بعض نے آپ کے دونوں بازو دیکھے تو وہ نیزے باز اور شمشیر زن بن گئے، بعض نے آپ کا دایاں بازو دیکھا تو وہ خون نکالنے والے بن گئے، بعض نے آپ کا بایاں بازو دیکھا تو مجاہد اور جلاد بن گئے، بعض نے آپ کی دائیں ہتھیلی دیکھی تو وہ صرّاف اور نقش و نگار بنانے والے بن گئے، بعض نے آپ کی بائیں ہتھیلی دیکھی تو وہ غلے کا ناپ تول کرنے والے بن گئے، بعض نے آپ کے دونوں ہاتھ دیکھے تو وہ سخی اور دانا بن گئے، بعض نے آپ کے دائیں ہاتھ کی پشت دیکھی تو وہ رنگریز بن گئے، بعض نے آپ کے بائیں ہاتھ کی پشت دیکھی تو وہ لکڑ ہارے بن گئے، بعض نے آپ کی انگلیوں کے پورے دیکھے تو وہ خوش نویس بن گئے، بعض نے آپ کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت دیکھی تو وہ درزی بن گئے، بعض نے آپ کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کی پشت دیکھی تو وہ لوہار بن گئے۔

بعض نے آپ کا سینہ دیکھا تو وہ عالم، شکر گزار اور مجتہد بن گئے، بعض نے آپ کی پشت مبارک دیکھی تو وہ متواضع اور امر شریعت کو روشن کرنے والے بن گئے، بعض نے آپ کی روشن پیشانی دیکھی تو وہ غازی بن گئے، بعض نے آپ کا شکم اطہر دیکھا تو وہ قناعت پیشہ اور زاہد بن گئے، بعض نے آپ کے دونوں گھٹنوں کو دیکھا تو وہ رکوع و سجود کرنے والے بن گئے، بعض نے آپ کے پائے اقدس دیکھے تو وہ شکاری بن گئے، بعض نے آپ کے مقدس تلوے دیکھے تو پیدل چلنے کے عادی ہو گئے، بعض نے آپ کا سایہ دیکھا تو وہ گوئیے اور طنبورے والے بن گئے اور بعض بدقست وہ تھے جنہوں نے آپ کی طرف دیکھا ہی نہیں تو وہ فرعون وغیرہ کی

طرح ربوبیت کے دعویدار بن گئے، بعض نے آپ کی طرف دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ دی
میں کامیاب نہیں ہو سکے تو وہ غیر مسلم یہودی اور عیسائی وغیرہ بن گئے۔

(۱)۔ یہ عنوان مناسبت کے تحت ہم نے لگایا ہے۔

(۲)۔ یہ معمر بن راشد ازدی حدانی بصری ہیں، ان کی کنیت ابو عروہ اور ان کے والد کی کنیت ابو عمرو ہے، یمن کے باشندے
حضرت حسن بصری کے جنازے میں شریک ہوئے، ثابت بنانی، قتادہ، زہری، عاصم احول، زید بن اسلم اور محمد بن منکدر وغی
سے روایت کرتے تھے، وہ مستند، ثقہ اور فاضل تھے ۱۵۴ھ میں فوت ہوئے، دیکھئے طبقات ابن سعد۔ (۵/۵۴۶)

(۳)۔ یہ ابوبکر محمد بن مسلم بن عبداللہ بن عبداللہ بن شہاب قرشی زہری مدنی تھے، فقیہ اور حافظ الحدیث تھے، ان کی جلا
علمی اور حافظے کی مضبوطی پر اتفاق ہے، مشہور ائمہ میں سے ایک اور حجاز و شام کے نامور عالم تھے، انہوں نے حضرت عبد
ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، انس، جابر، سائب بن یزید، سعید بن مسیب، سلیمان ابن یسار اور کثیر التعداد مشائخ رضی اللہ تع
عنہم سے روایت کی، ۱۲۵ھ میں فوت ہوئے، دیکھئے۔ طبقات ابن سعد (۴/۱۲۶) تاریخ کبیر امام بخاری (۱/۲۲۰) تا
صغیر (۱/۳۲۰) الجرح والتعدیل (۸/۷۱) الثقات از ابن حبان (۵/۳۴۹) سیر اعلام النبلاء (۵/۳۲۶) وفیات الاع
(۱۴۰/۱۲۱) العبر (۱/۱۵۸) تذکرۃ الحفاظ (۱/۱۰۸) التقریب (۶۲۹۶) تہذیب الکمال (۲۶/۴۱۹) اور شذرا
الذہب (۱/۱۶۲)

(۴)۔ مخطوط میں سائب بن زید لکھا ہوا ہے، لیکن صحیح سائب بن یزید ہے، یہ سائب بن یزید بن سعید ابن ثمامہ ہیں انہیں ع
بن اسود کندی یا ازدی بھی کہا جاتا ہے، "ابن اخت النمر" کے عنوان سے معروف ہیں، صحابی ہیں، انہوں نے متعدد حدیثیں
اکرم ﷺ سے روایت کی ہیں، علاوہ ازیں اپنے والد، حضرت عمر فاروق اور عثمان غنی سے بھی روایت کی ہے۔ وہ بیمار تھے
ان کی خالہ انہیں نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں لے گئیں، آپ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور ان کے لئے
فرمائی، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی پیا اور مہر نبوت کی زیارت کی، امام بغوی نے نقل کیا کہ ان کے آ
کردہ غلام حضرت عطاء نے بیان کیا کہ ان کے بال سر کے درمیان سے لے کر سر کے اگلے حصے تک سیاہ تھے، جب کہ باقی
سفید تھے، عطاء نے عرض کیا کہ میں نے آپ سے زیادہ عجیب کسی کے بال نہیں دیکھے، حضرت سائب نے فرمایا: بیٹے! تمہ
اس کی وجہ معلوم نہیں ہے؟ ہوا یہ کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ میرے پاس سے گزرے تو آپ نے میر
سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے، اس لئے یہ بال کبھی سفید نہیں ہوں گے، ام العلاء بنت شریح حضر
ان کی والدہ اور علاء بن الحضرمی ان کے ماموں تھے، حضرت سائب ؓ ۸۲ھ میں اور بقول بعض علماء ۹۰ھ کے بعد دنیا
تشریف لے گئے، دیکھئے الاصابہ (۴/۱۱۷) اسد الغابہ (۲/۱۶۹) معجم الصحابہ للبغوی (۳/۱۸۸) الاستیعاب (۲/۵۷۶) او
الصحابہ از ابو نعیم (۳/۱۳۷۶)

(۲)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن جریج (۱) سے، انہوں نے فرمایا: مجھے حضرت براء نے بیان فرمایا کہ میں نے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھی۔

(۳)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے، وہ یحییٰ ابن ابی کثیر (۲) سے، وہ ضمضم (۳) سے اور وہ حضرت ابوہریرہ سے انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سورج آپ کی آنکھوں میں چل رہا ہو۔

(۴)۔ عبدالرزاق، ابن جریج (۴) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا مجھے نافع (۵) نے خبر دی کہ ابن عباس نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا (تاریک) سایہ نہیں تھا، آپ کبھی سورج کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے مگر آپ کی روشنی سورج کی دھوپ پر غالب ہوتی، اور

---

(۱)۔ ابن جریج: ثقہ حافظ الحدیث تھے، لیکن تدلیس کرتے تھے (یعنی استاذ کی بجائے اس کے استاذ کا نام ذکر کر دیتے تھے جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا کہ یہ براہِ راست اس کے شاگرد ہیں۔۱۲ اشرف قادری) لیکن اس جگہ تو انہوں نے خبر دینے کی تصریح کر دی ہے، اس حدیث کو امام مسلم نے "باب صفۃ النبی ﷺ" میں روایت کیا ہے (وانہٗ کانَ اَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا) آپ کا چہرۂ انور تمام انسانوں سے زیادہ حسین تھا، (۴/ ۱۸۱۸) مسلم شریف کی حدیث کا ترجمہ یہ ہے: رسول اللہ ﷺ کا قد درمیانہ تھا، کندھوں کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا (یعنی باڈی بہت وسیع تھی) زلفیں کان کی لو کو چھو رہی تھیں، آپ نے دھاریدار) سرخ حلّہ پہن رکھا تھا، میں نے آپ سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی (ﷺ) اسے امام بخاری نے بھی روایت کیا (۲/۱۳۰۳) نمبر (۳۳۵۸) ابوداؤد (۴/۴۰۹) نسائی (۸/۱۸۳) ابویعلیٰ (۳/۲۶۲) امام احمد (۳۰/۴۲۲) لہٰذا حدیث صحیح ہے۔

(۲)۔ ابونصر یحییٰ ابن ابی کثیر طائی یمامی، بنو طے کے آزاد کردہ غلام تھے، حضرت ضمم سے روایت کرتے تھے، لیکن تدلیس اور ارسال سے کام لیتے تھے۔ دیکھئے تقریب (۷۶۳۲)

(۳)۔ ضمضم بن جوس یمامی: انہوں نے حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ ابن حنظلہ سے روایت کی، وہ ثقہ تھے۔ (التقریب ۲۹۔ تہذیب التہذیب ۲/۲۳۰)

(۴)۔ یہ عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج اموی مکی، ثقہ اور فاضل تھے، تدلیس اور ارسال سے کام لیتے تھے ۱۴۹ھ میں وفات پائی۔ دیکھئے التقریب (۴۱۹۳) تہذیب التہذیب (۲/۶۱۶ اور تہذیب الکمال (۱۸/۳۳۸)

(۵)۔ ابوعبداللہ مدنی، حضرت عبداللہ ابن عمر بن خطاب کے آزاد کردہ غلام تھے، ایک غزوہ ابن عمر نے انہیں زخمی کر دیا تھا، مستند اور مشہور فقیہ تھے۔ ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔ دیکھئے (التقریب ۷۰۸۶، تہذیب الکمال ۲۹/ ۲۹، تہذیب التہذیب ۴/۲۱۰)

کبھی چراغ کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے مگر آپ کی روشنی چراغ پر غالب ہوتی۔(۱)

(۵)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں یحییٰ ابن العلاء سے، وہ طلحہ سے وہ عطا سے اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چاند کے ہالے کی طرح تھا۔(۲)

(۶)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن جریج سے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت براء نے بیان فرمایا کہ میں نے کسی شخص کو (دھاریدار) سرخ حُلّہ پہنے ہوئے اور بالوں میں کنگھی کئے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ آپ کے مقدس بال کندھوں کے

---

(۱)۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے، اس کا تذکرہ امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں کیا ہے، جس پر ھراس نے تحقیق کی ہے (۱۶۹/۱) اور اس کی نسبت حکیم ترمذی کی طرف کی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث ابن ذکوان سے روایت کی۔ حکیم ترمذی کی جو قلمی اور مطبوعہ کتب ہمارے سامنے موجود ہیں ان میں ہمیں یہ حدیث نہیں ملی، امام سیوطی نے جو روایت خصائص میں بیان کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: سورج اور چاند کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، ابن سبع نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، چونکہ آپ نور ہیں اس لئے جب آپ سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ دکھائی نہیں دیتا تھا بعض علماء نے فرمایا اس کی تائید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے ہوتی ہے کہ اے اللہ! مجھے نور بنا دے امام مقریزی نے یہ کلام امتاع الاسماع (۳۰۸/۱۰) خیضری نے اپنی کتاب ''اللفظ المکرم بخصائص النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۲۳۵/۲) قسطلانی نے مواہب لدنیہ (۳۰۷/۲) صالحی نے سبل الہدیٰ والرشاد (۹۰/۲) اور عمر بن عبداللہ سراج الدین نے اپنی کتاب ''غایۃ السول فی خصائص الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' میں نقل کیا۔ امام عبدالرزاق کی روایت کا ذکر امام زرقانی نے مواہب لدنیہ کی شرح (۲۲۰/۴) میں کیا، انہوں نے فرمایا: ابن مبارک اور ابن جوزی نے ابن عباس سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا اور آپ جب بھی سورج کے سامنے کھڑے ہوئے تو آپ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب آگئی، اور جب بھی آپ چراغ کے سامنے کھڑے ہوئے تو آپ کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب آگئی (اھ) لہٰذا البانی کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا درست نہیں ہے، اور ھراس نے جو حجت بازی کی ہے وہ قابل توجہ نہیں ہے، بلکہ وہ تو آدمی کو کفر تک پہنچا دیتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں باطن کی خرابیوں اور ضمیر کے اندھیروں سے بچائے۔

(۲)۔ اس حدیث کو امام بخاری نے ''باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں روایت کیا (۱۳۰۴/۳) نمبر (۳۳۵۹) مسلم (۱۸۱۹/۴) نمبر (۲۳۳۸) ابن حبان (۱۹۶/۱۴) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ پرنور سب سے زیادہ حسین اور آپ کا خلق سب سے زیادہ عمدہ تھا، نسائی سنن کبریٰ (۲۶۳/۶) رویانی مسند میں (۹۲/۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے۔

قریب تھے۔(۱)

(۷)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن جریج سے، وہ حضرت عطاء سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ سب لوگوں سے زیادہ حسین اور رنگ سب سے زیادہ چمکدار تھا۔(۲)

(۸)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے وہ ایوب سے۔ وہ ابوقلابہ سے اور وہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، آپ نے (دھاریدار) سرخ حلّہ زیب تن کیا ہوا تھا، میں کبھی آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھتا اور کبھی چاند کو، میری نظر میں آپ کا چہرۂ اقدس چاند سے زیادہ حسین تھا۔(۳)

(۹)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں امام مالک سے، وہ عبداللہ ابن ابی بکر سے کہ سالم بن عبداللہ نے ام معبد سے روایت کرتے ہوئے انہیں خبر دی، کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ دور سے دیکھنے میں سب لوگوں سے زیادہ پیارے اور سب سے زیادہ حسین تھے۔ اور قریب سے دیکھنے میں سب سے زیادہ بلند آواز (بارعب) اور سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔(۴)

(۱۰)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر سے اور وہ ابن جریج (۵) سے کہ حضرت براء بکثرت یہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ اے اللہ! رحمتیں نازل فرما اپنے انوار کے سمندر اور

---

(۱)۔ اس کی تخریج حدیث نمبر ۲ میں کی جا چکی ہے۔

(۲)۔ اس حدیث کی تخریج حدیث نمبر ۵ کے تحت کی جا چکی ہے۔

(۳)۔ اس حدیث کو حاکم نے المستدرک (۴/۲۰۷) رویانی نے مسند (۱/۴۴) بیہقی نے شعب الایمان (۲/۱۵۱) اور طبرانی نے معجم کبیر (۲/۲۰۶) میں روایت کیا۔

(۴)۔ طبقات کبریٰ از ابن سعد (۱/۲۱۶)

(۵)۔ ان کا تذکرہ حدیث نمبر ۴ کے تحت گزر چکا ہے۔

اپنے اسرار کی کان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل پر۔(۱)

(۱۱)۔ حضرت عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن تیمی سے، وہ اپنے والد (۲) سے اور وہ حضرت حسن بصری سے کہ وہ کثرت سے یہ درود شریف پڑھا کرتے تھے: اے اللہ! اس ذات اقدس پر رحمتیں نازل فرما جن کے نور سے پھول کھلے ہیں، ایسی رحمتیں نازل فرما جو آپ کے چہرۂ انور کی رونق کو دوبالا کر دیں۔(۳)

(۱۲)۔ عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ مجھے ابن عُیینہ نے خبر دی امام مالک سے کہ وہ ہمیشہ یہ درود پاک پڑھا کرتے تھے: اے اللہ! ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر رحمتیں نازل فرما جن کا نور تمام مخلوق سے پہلے تھا۔(۴)

(۱۳)۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ مجھے یحییٰ ابن ابی زائدہ (۵) نے سلیمان بن یسار (۶) سے

---

(۱)۔ اس حدیث کی سند منقطع ہے، کیونکہ ابن جریج کی ملاقات حضرت براء سے نہیں ہوئی۔

(۲)۔ ابن تیمی: یہ معتمر بن سلیمان بن طرخان تیمی تھے، ان کی کنیت ابومحمد اور وہ بصری تھے، ان کا لقب طفیل تھا اور ثقہ تھے ۱۸۷ھ میں فوت ہوئے، دیکھئے: التقریب (۶۷۸۵) تہذیب التہذیب (۴/۱۱۷) تہذیب الکمال (۲۸/۲۵۰) ان کے والد سلیمان بن طرخان تیمی بصری تھے، ان کی کنیت ابوالمعتمر تھی، وہ ثقہ اور عبادت گزار تھے، انہوں نے حضرت انس بن مالک، طاؤس، حسن بصری اور ثابت بنانی وغیرھم سے روایت کی، ۱۴۳ھ میں فوت ہوئے، دیکھئے التقریب (۲۵۷۵) تہذیب (۲/۹۹) تہذیب الکمال (۱۲/۵)

(۳)۔ اس کی سند صحیح ہے۔

(۴)۔ اس کی سند بھی صحیح ہے۔

(۵)۔ یہ ابوسعید یحییٰ ابن زکریا ابن ابی زائدہ ہمدانی کوفی ہیں، ثقہ اور مضبوط حافظے والے تھے، ۱۸۳ھ یا ۱۸۴ھ میں فوت ہوئے، دیکھئے التقریب (۷۵۴۸) تہذیب التہذیب (۴/۳۵۳) تہذیب الکمال (۳۱/۳۰۵)

(۶)۔ یہ ابوایوب سلیمان یسار ہلالی مدنی تھے، یہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے، کہا جاتا ہے کہ حضرت ام سلمہ کے مکاتب تھے، ثقہ، فاضل اور سات فقہاء میں سے ایک تھے، انہوں نے حضرت میمونہ، ام سلمہ، عائشہ، زید بن ثابت، ابن عباس، ابن عمر اور جابر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی، سن ایک سو ہجری کے بعد وفات پائی، بعض نے کہا اس سے پہلے فوت ہوئے۔ دیکھئے التقریب (۲۶۱۹) تہذیب (۲/۱۱۲) تہذیب الکمال (۱۲/۱۰۰)

دی، انہوں نے کہا کہ مجھے ابو قلابہ (۱) نے تعلیم دی کہ ہر نماز کے بعد سات مرتبہ یہ درود شریف پڑھا کروں: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اَفْضَلِ مَنْ طَابَ مِنْهُ النَّجَارُ۔ (۲) اے اللہ! اس ذات اقدس پر رحمتیں نازل فرما جن کی بدولت اصل طیب وطاہر ہوا اور فخر سر بلند ہوا اور جن کی پیشانی کے نور سے چاند جگمگا اٹھے اور جن کے دائیں ہاتھ کی سخاوت (عند جود یمینہ) (۳) کے سامنے بادل اور دریا شرمسار ہو گئے۔

(۔)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن جریج (۴) سے، انہوں نے فرمایا: مجھے زیاد (۵) نے فرمایا کہ تم صبح وشام یہ درود شریف پڑھنا نہ بھولنا: اے اللہ! اس ذات اقدس پر رحمتیں

---

(۱) یہ ابو قلابہ عبداللہ ابن زید بن عمرو جرمی بصری، ثقہ اور فاضل تھے، بکثرت مرسلا روایت کرتے تھے، منصب قضا سے گھبرانے کیلئے شام چلے گئے تھے، وہیں ۱۰۴ھ اور بعض نے کہا اس کے بعد فوت ہوئے، التقریب (۳۳۳۳) تہذیب التہذیب (۲/۳۳۹) تہذیب الکمال (۱۴/۵۴۲)

(۲) اصل نسخے میں بخار ہے، غالباً صحیح وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے (نُجار) النجر، النجار اور النُّجار کا معنی اصل اور حسب ہے، لسان العرب (۵/۱۹۳) بعض جگہ "زد فیه الفخار" آیا ہے، اس لئے لفظ 'بخار' کا کوئی مطلب نہیں ہے، اور یہ کاتب کی غلطی ہے، واللہ اعلم۔ اس کی تائید دلائل الخیرات میں امام جزولی کے قول سے ہو جاتی ہے، انہوں نے لکھا ہے: "اللهم صل على من طابَ منه النجار، دیکھئے دلائل الخیرات (۱۴۲۔۱۴۳) اور اس کی شرح مطالع المسرات ۔۴۱۰۔۴۱۱)

(۳)۔ اصل نسخ میں "جنوذ" ہے اور غالباً (جود) ہی صحیح ہے جو ہم نے متن میں لکھا ہے، جیسے دلائل الخیرات (۱۴۲۔۱۴۳) اور مطالع المسرات (۴۱۲۔۴۱۳) میں ہے، غالباً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سخاوت کا بیان کرنا مقصود ہے، کیونکہ آپ کی بخشش آندھی سے زیادہ تیز تھی، ممکن ہے اس جگہ لفظ "جنوب" ہو۔ (جنوب یمینہ) اسے بگاڑ کر جنود بنا دیا گیا ہو، جنوب جمع ہے جنب کی، یعنی انسان کی ایک جانب، سائیڈ، دیکھئے۔ الغریبین از ابن سلام (۱/۱۸۱۔۱۸۲اب، خ ط) لسان العرب (۱/۲۷۵)

(۴)۔ ان کا تذکرہ حدیث نمبر ۱۰ کے تحت کیا جا چکا ہے۔

(۵) یہ ابو عبدالرحمٰن زیاد بن سعد بن عبدالرحمٰن خراسانی ہیں، ابن جریج کے شریک تھے، پہلے مکہ معظمہ میں رہے، پھر یمن چلے گئے، ثقہ اور مستند ہیں، ابن عیینہ نے فرمایا زہری کے شاگرد میں مضبوط ترین یادداشت والے تھے، ان سے امام مالک، ابن جریج، ابن عیینہ اور ہمام وغیرہم نے روایت کی۔ دیکھئے التقریب (۲۰۸۰) اور تہذیب التہذیب (۱/۶۴۷)

نازل فرما جن سے نہریں جاری ہوئیں اور انوار پھوٹے اور اسی ذات اقدس میں حقائق نے ترقی کی اور آدم علیہ السلام کے علوم نازل ہوئے۔

(۱۵)۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں معمر (۱) سے، وہ ابن ابی زائدہ (۲) سے، وہ ابن عون (۳) سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے شیخ (ابن عون) نے تعلیم دی کہ میں رات یہ درود شریف پڑھا کروں: اے اللہ! اس ذات اقدس پر رحمت نازل فرما جن کے سے تو نے ہر شے کو پیدا فرمایا: (۴)

(۱۶)۔ عبدالرزاق ابن جریج سے اور وہ سالم (۵) سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے سعید بن ابی سعید (۶) نے تعلیم دی کہ میں ہمیشہ یہ درود شریف پڑھا کروں: اے اللہ! غم کو دور کرنے والی، اندھیرے کو منکشف کرنے والی، نعمت کو عطا کرنے والی اور رحمت بانٹنے والی ہستی پر رحمت کاملہ نازل فرما۔

---

(۱)۔ ان کا تذکرہ حدیث نمبر ا کے تحت گزر چکا ہے۔

(۲)۔ ان کا تذکرہ حدیث نمبر ۱۳ کے تحت گزر چکا ہے۔

(۳)۔ یہ ابوعون عبداللہ؛ عون بن ارطبان مزنی بصری تھے، انہوں نے حضرت انس بن مالک کی زیارت کی، لیکن ان سے حدیث کا سننا ثابت نہیں ہے، ثقہ، مضبوط حافظے والے، فاضل اور علم وعمل اور عمر میں ایوب کے معاصر تھے، ان سے اعمش، ثوری، شعبہ، ابن مبارک، ابن زائدہ اور وکیع وغیرہم نے روایت کی ۱۵۰ھ میں وفات پائی، التقریب (۳۵۱۹) تہذیب التہذیب (۳۹۸/۲) اور تہذیب الکمال (۳۹۴/۱۵)

(۴)۔ اس کی سند منقطع ہے، کیونکہ معمر، ابن ابی زائدہ سے روایت نہیں کرتے۔

(۵)۔ یہ ابونضر سالم بن ابی امیہ تیمی مدنی ہیں، ثقہ اور مستند تھے، مرسلا روایت کرتے تھے، ۱۲۹ھ میں فوت ہوئے تقریب (۲۱۶۹) تہذیب التہذیب (۶۷۴/۱) اور تہذیب الکمال (۱۲۷/۱۰)

(۶)۔ یہ سعید بن ابوسعید ہیں، ابوسعید کا نام کیسان مقبری مدنی ہے، وہ مدینہ منورہ کی ایک عورت کے مکاتب تھے نسبت ہے، مدینہ منورہ کے ایک مقبرہ (قبرستان) کی طرف، یہ اس کے قریب رہتے تھے ۱۲۰ھ کے آس پاس وفات دیکھیے التقریب (۲۳۲۱) تہذیب التہذیب (۲۲/۲) اور تہذیب الکمال (۴۶۶/۱۰)

(۱۷)۔ عبدالرزاق معمر سے وہ زہری سے، وہ سالم سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان دو آنکھوں سے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی اور آپ تمام تر نور تھے، بلکہ (نورٌ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ) آپ ایسے نور تھے جسے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اپنے نور سے پیدا کیا تھا (مَنْ رَّآہ بَدِيْهَةً.)(۱) جو شخص پہلے پہل آپ کی زیارت کرتا وہ مرعوب ہو جاتا اور جو بار بار آپ کی زیارت کرتا وہ دل کی گہرائی سے آپ سے محبت کرنے لگتا۔(۲)

(۱۸)۔ عبدالرزاق معمر (۳) سے وہ ابن منکدر سے (۴) اور وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ (۵) سے

---

(۱)۔اصل نسخے میں بدیھا ہے، غالباً صحیح (بدیھۃ) ہے جو ہم نے متن میں درج کیا ہے، غالباً اس جگہ کاتب کی غلطی ہے۔

(۲)۔اس حدیث کی سند صحیح ہے، حضرت معمر کا تذکرہ حدیث نمبر ا کے تحت گزر چکا ہے جہاں تک اس سند کا تعلق ہے۔ (الزهری عن سالم عن ابیه) تو یہ ان صحیح ترین سندوں میں سے ہے جن کا تذکرہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ جیسے حفاظِ حدیث نے کیا ہے، جیسے کہ امام نووی کی کتاب ارشاد طلاب الحقائق (۱/۱۱۲) میں ہے، امام ترمذی (۵/۵۹۹) اور ابن ابی شیبہ نے مصنف (۶/۳۲۸) میں اس حدیث کو بالمعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ جب نبی اکرم ﷺ کی صفت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ آپ نہ تو بہت لمبے تھے اور نہ ہی بہت چھوٹے، بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا (یہاں تک کہ فرمایا) جو شخص آپ کی پہلے پہل زیارت کرتا وہ مرعوب ہو جاتا اور جو آپ سے میل جول رکھتا وہ آپ سے محبت کرتا، آپ کی صفت بیان کرنے والا ہر شخص یہ کہتا کہ میں نے آپ جیسا نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد۔

(۳)۔ان کا تذکرہ حدیث نمبر ا کے تحت گزر چکا ہے۔

(۴)۔یہ ابو عبداللہ محمد بن منکدر بن عبداللہ ابن ھُدَیر مدنی اور مشہور ائمہ میں سے ایک ہیں انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، سیدہ عائشہ، ابن عباس اور ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی اور ان سے بے شمار مخلوق نے روایت کی، ان میں زید بن اسلم، زھری، ثوری، ابن عُیَینہ اور اوزاعی شامل ہیں، یہ ثقہ اور فاضل ہیں، ۱۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ دیکھئے التقریب (۶۳۲۷) تہذیب التھذیب ۹/۴۷۳ اور تہذیب الکمال (۲۶/۵۰۳)

(۵)۔یہ حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن سلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے، ان کی کنیت ابو عبداللہ اور ابو عبدالرحمٰن ہے، نبی اکرم ﷺ سے بکثرت روایت کرنے والے صحابہ میں سے ایک ہیں، یہ خود بھی صحابی تھے اور ان کے والد بھی، بیعت عقبہ کے موقع پر حاضر ہونے والوں میں یہ بھی شامل تھے، انیس غزوات میں نبی اکرم ﷺ کی معیت میں حاضر ہوئے، یہ مدینہ منورہ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چورانوے سال عمر پائی۔ دیکھئے الاصابۃ (۲/۴۵) استیعاب از ابن عبدالبر (۱/۲۱۹) اور اسد الغابۃ (۱/۲۵۶) میں کہتا ہوں کہ ان ثقہ اور اکابر کے حالات کے مطالعہ کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

روایت کرتے ہیں: (عبدالرزاق عن معمر عن ابن المنكدر عن جابر قال: سالتُ رسول اللّٰهُ صلی اللّٰه علیه وسلم عَنْ اَوّل شیءٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تعالٰی؟ فقالَ هُوَ نُوْرُ نَبِیّکَ یَاجَابِرُ خَلقَهُ اللّٰهُ. ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ آپ نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا، پھر اس میں ہر خیر کو پیدا کیا اور ہر شے کو اس کے بعد پیدا کیا، اور جب اس نور کو پیدا کیا تو اسے اپنے سامنے مقامِ قرب میں بارہ ہزار سال قائم کیا، پھر اسے چار قسمیں بنایا، تو ایک قسم سے عرش اور کرسی کو پیدا کیا، ایک قسم سے عرش کے حاملین اور کرسی کے خازنوں کو پیدا کیا۔ (۱)

چوتھی قسم کو مقامِ محبت میں بارہ ہزار سال رکھا، پھر اسے چار حصے کیا، ایک قسم سے قلم کو، ایک سے لوح کو اور ایک قسم سے جنت کو پیدا کیا، پھر چوتھی قسم کو مقام خوف میں بارہ ہزار سال رکھا اور اسے چار حصے کیا، ایک حصے سے فرشتوں کو، ایک سے سورج کو اور ایک حصے سے چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، پھر چوتھے حصے کو مقام رجا میں بارہ ہزار سال رکھا، پھر اسے چار حصے کیا، ایک سے عقل، ایک سے علم وحکمت اور عصمت وتوفیق کو پیدا کیا، (۲) چوتھی جزء کو بارہ ہزار سال مقامِ حیا میں قائم کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر فرمائی تو اس نور کو پسینہ آ گیا اور اس سے نور کے ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے ٹپکے۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے ہر قطرے سے کسی نبی یا رسول کی روح کو پیدا فرمایا۔

---

(۱)۔ اس جگہ تیسری قسم کا بھی ذکر ہونا چاہیے۔ ۱۲ اشرف قادری

(۲)۔ اس جگہ بھی تیسری جز کا ذکر ہونا چاہیے۔ ۱۲ اشرف قادری

(۳)۔ مصنف کے نسخے میں الفاظ میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے کچھ الفاظ ساقط ہو گئے ہیں، ہم نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب ''تلقیح الفہوم'' (خ ل ۲۰ اب) کی عبارت درج کر دی ہے کیونکہ وہ نص کی عبارت سے مضبوط ہے۔ ۱۲

پھر انبیاء کرام کی روحوں نے سانس لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سانسوں سے قیامت تک ہونے والے اولیاء، شہداء، ارباب سعادت اور اصحاب اطاعت کو پیدا فرمایا۔

پس عرش اور کرسی میرے نور سے، کرّوبیاں میرے نور سے، فرشتے اور اصحاب روحانیت میرے نور سے، جنت اور اس کی نعمتیں میرے نور سے، ساتوں آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے، سورج، چاند اور ستارے میرے نور سے، عقل اور توفیق میرے نور سے، رسولوں اور انبیاء کی روحیں میرے نور سے، شہداء، سُعداء اور صالحین میرے نور سے پیدا ہوئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار پردے پیدا فرمائے اور میرے نور یعنی چوتھی جزء کو ہر پردے میں ایک ہزار سال رکھا، یہ عبودیت، سکینہ، صبر، صدق اور یقین کے مقامات تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ہر پردے میں ایک ہزار سال غوطہ دیا، اور جب اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ان پردوں سے نکالا تو اسے زمین پر اتار دیا، تو جس طرح اندھیری رات میں چراغ سے روشنی ہوتی ہے، اس طرح اس نور سے مشرق سے لے کر مغرب تک کی فضا منور ہوگئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو وہ نور ان کی پیشانی میں رکھ دیا، ان سے وہ نور حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا، وہ نور طاہر سے طیّب کی طرف اور طیب سے طاہر کی طرف منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کی پشت تک پہنچا دیا اور وہاں سے ہماری والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کے رحم کی طرف منتقل کیا، پھر ہمیں اس دنیا میں جلوہ گر کیا اور ہمیں رسولوں کا سردار، انبیاء کا خاتم، تمام جہانوں کے لئے رحمت مجسم اور روشن اعضاءِ وضو والوں کا قائد بنایا، اے جابر! اس طرح تیرے نبی کی ابتدا تھی۔(۱)

---

(۱)۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے یہ حدیث ان ہی الفاظ کے ساتھ اپنی کتاب "تلقیح الفہوم" (خ ل ۱۲۸ أ) میں بیان کی، خرگوشی نے "شرف المصطفیٰ" (۱/۳۰۷) میں اسے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بالمعنی روایت کیا، عجلونی نے

''کشف الخفاء'' (۱/۳۱۱) میں اس کا ذکر کیا اور بتایا کہ اسے عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا، اسی طرح امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ (۱/۷۱) میں عبدالرزاق کے حوالے سے بیان کیا، عبدالملک بن زیادۃ اللہ طلبی نے ''فوائد'' میں حضرت عمر بن خطاب ﷺ کی روایت سے ایک طویل حدیث میں روایت کیا کہ اے عمر! جانتے ہو ہم کون ہیں؟ ہم وہ ہیں جن کا نور اللہ تعالیٰ نے ہر شے سے پہلے پیدا کیا، اس نور نے سجدہ کیا تو وہ سات سو سال تک سجدے ہی میں رہا، پس اے عمر! ہر شے سے پہلے ہمارے نور نے سجدہ کیا اور یہ بات بطور فخر نہیں کہی گئی، اے عمر! جانتے ہو ہم کون ہیں؟ ہم وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرش ہمارے نور سے پیدا کیا، کرسی ہمارے نور سے پیدا کی، لوح و قلم ہمارے نور سے پیدا کیے، شمس و قمر ہمارے نور سے پیدا کیے، آنکھوں کا نور ہمارے نور سے پیدا کیا، مخلوقات کے سروں میں پائی جانے والی عقل ہمارے نور سے پیدا کی، مومنوں کے دلوں میں معرفت کا نور ہمارے نور سے پیدا کیا اور یہ بطور فخر بیان نہیں کیا، اس روایت کا تذکرہ سید محمد جعفر کتانی نے اپنی کتاب ''العلم النبوی'' (ل خ ۲/۱۳۳) میں کیا۔

حدیث جابر کے معنی و مطلب پر کیے جانے والے اشکالات کا جواب امام حلوانی نے اپنی کتاب ''مواکب ربیع'' (۲۷-۳۳) میں دیا ہے، آئندہ سطور میں ان کی تحریر ملاحظہ ہو:

انہوں نے فرمایا:

یہ حدیث مختلف روایات سے مروی ہے، اور اس میں پانچ اشکال ہیں۔

پہلا اشکال:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نورِ مصطفیٰ ﷺ ہر چیز سے پہلے ہے، یہ اس حدیث کے مخالف ہے جو متعدد سندوں سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کے پیدا کرنے سے پہلے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا، اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ہماری روح کو پیدا کیا، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، ایک حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے لوح کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا، یہ احادیث حدیثِ نور کے مخالف ہیں، پھر یہ روایات آپس میں بھی تو ایک دوسری کے مخالف ہیں، ان میں تطبیق کیسے دی جائے گی؟

جواب: یہ ہے کہ نورِ مصطفیٰ ﷺ مطلقاً سب سے پہلے ہے، جیسے کہ گزشتہ احادیث کی تفصیلات اس دعوے پر دلالت کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ علماء کے اقوال اس پر متفق ہیں، اس کے علاوہ باقی چیزوں کا اول ہونا نسبی ہے، پس پانی نور شریف کے علاوہ باقی چیزوں سے پہلے ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ''ہر شے پانی سے پیدا کی گئی ہے''۔ اسے امام احمد نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا، اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہر شے سے مراد نور شریف کے علاوہ اشیاء ہیں۔

جنات کا آگ سے اور فرشتوں کا نور یا ہوا سے پیدا کیا جانا اس حدیث کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ علماء طبعیین نے بیان کیا کہ پانی حرارت کی وجہ سے بخار بن جاتا ہے بخار ہوا اور ہوا آگ بن جاتی ہے، لہٰذا آگ کے پانی سے پیدا ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے سبز درخت میں پانی اور ہوا کو جمع فرما دیا۔

رہیں وہ روایات جن میں روح شریف، قلم اعلیٰ اور لوح محفوظ کی اولیت کا ذکر ہے تو یہ بعد والی مخلوقات کے اعتبار سے اولیت ہے، یا یہ مطلب ہے کہ ان میں سے ہر چیز اپنی جنس سے پہلے ہے، یعنی روح اقدس دوسری روحوں سے پہلے، قلم دوسرے قلموں سے پہلے اور لوح محفوظ دوسری لوحوں سے پہلے، ہاں سب سے پہلے عقل اور سب سے پہلے نور شریف کے پیدا کئے جانے پر دلالت کرنے والی روایات میں کوئی مخالفت نہیں ہے، کیونکہ حقیقت محمدیہ کو کبھی عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور سے، جیسے کہ علامہ شعرانی نے ''الیواقیت والجواھر'' میں بیان کیا، بلکہ متعدد علماء نے بیان کیا کہ یہ سب نور شریف کے نام ہیں۔

اس نور کے نورانی ہونے اور انوار کا فیضان کرنے کے اعتبار سے اسے نور کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ بادشاہوں کے قلموں کی طرح علوم کے نقوش کا سبب ہے اور احکام اس کے تابع ہو کر جاری ہوتے ہیں، اسے قلم کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے کہ علوم کا مظہر ہے، اسے لوح کہا جاتا ہے اور اس میں عقل کی فراوانی کے اعتبار سے اسے عقل کہا جاتا ہے اور اس اعتبار سے کہ وہ وجود کائنات اور اس کی حسی اور معنوی زندگی کا سبب ہے تو اسے روح اور پانی کہا جاتا ہے۔

(میں کہتا ہوں) اسی لئے نبی اکرم ﷺ کا نام آیت کریمہ (وما ارسلناک الّا رحمةً للعالمین) میں رحمت رکھا گیا ہے، جیسے کہ ایک آیت (فانظُر الیٰ آثار رحمة اللّٰہ کیف یُحیی الارضَ بعدَ موتھا) میں پانی کو رحمت کہا گیا ہے، نیز نور اور پانی میں موج زن ہونے اور پھیلاؤ میں مشابہت پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایک حدیث میں نور کو پانی کی صفت (چھڑکنے) کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا، پھر ان پر نور کے چھینٹے مارے، اسی لئے بعض علماء نے حضرت رزین کی روایت کردہ حدیث میں واقع لفظ ''عـمـاء'' کی تفسیر نور محمدی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) سے کی ہے، حضرت رزین فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟ فرمایا: ''کان فی عماء'' (اس کا مطلب بعد میں آرہا ہے۔۱۲ قادری) اس کے اوپر بھی ہوا نہیں تھی اور اس کے نیچے بھی ہوا نہیں تھی، پھر پانی پر اپنا عرش پیدا فرمایا، اس حدیث کو امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ عماء کی اصل بارش برسانے والا رقیق یا سفید یا بلند بادل ہے، اور نور شریف بارش برسانے والے رقیق بادل کے ساتھ اس اعتبار سے مشابہت رکھتا ہے کہ نور شریف متقدمین اور اکثر متاخرین کے زمانے میں مخفی رہنے کے باوجود سبب حیات تھا، نیز نور مبارک اپنی وضاحت اور تابندگی کے اعتبار سے سفید بادل کے مشابہ ہے اور اپنے حسی اور معنوی کمالات کے اعتبار سے تمام مخلوقات سے بلند و بالا ہے اس لحاظ سے بلند بادل کے مشابہ ہے۔

چونکہ ہوا عماء کے لوازم میں سے ہے جس کا معنی بادل ہے، اور اس بادل کے ساتھ ہوا کا وجود نہیں تھا، کیونکہ اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق پیدا ہی نہیں کی تھی، اس لئے فرمایا کہ نہ تو اس کے اوپر ہوا تھی اور نہ ہی اس کے نیچے ہوا تھی، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس نور کی بادل کے ساتھ ہر وجہ کے اعتبار سے مشابہت نہیں ہے، اسی طرح بعض اہل علم نے فرمایا۔

اس تقریر کے مطابق (کان فی عماء) میں لفظ ''فی'' ''مع'' کے معنی میں ہے، جس سے ایسی مصاحبت سمجھی جاتی ہے جو اتصال (اور ظرفیت) سے پاک ہے، کیونکہ اتصال اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ نے حضرت رزین کو یہ جواب (کان فی عماء) دیا، حالانکہ انہوں نے جو سوال کیا تھا (کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کہاں تھا؟) اس کا یہ جواب نہیں ہے، دراصل یہ حکیمانہ اندازِ جواب اختیار فرمایا اور انہیں بتا دیا کہ اسے مسئلے میں زیادہ نہیں الجھنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اَیْنَ (اور کہاں) سے پاک ہے، یہ سوال تو اس مخلوق کے بارے میں کیا جانا چاہیے وجود و شہود میں سب سے پہلے تھی۔

حدیث کا دوسرا مطلب:

بعض علماء نے فرمایا کہ دراصل سوال یہ تھا کہ ہمارے رب کا عرش کہاں تھا؟ بطور توسع مضاف حذف کر دیا گیا، جس طرح (واسأل القریة) میں مضاف محذوف ہے، (اصل میں اھلَ القریة تھا) اس کی دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے جو ایک روایت میں واقع ہے (و کانَ عرشه علی الماء) (اور اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا) جب آپ نے (فی عماءٍ) فرمایا وہ خاموش ہو گئے اور یہ سوال نہیں اٹھایا کہ "عماء" کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سوال خالق کے بارے میں نہیں تھا، بلکہ مخلوق کے بارے میں تھا۔ اس لئے "عماء" سے مراد پانی ہے، لفظ "عماء" (جس کا معنی بادل ہے بول کر پانی مراد لیا گیا ہے، کیونکہ بادل پانی کا محل ہے (یعنی مجاز مرسل کے طور پر محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔ ۱۲ قادری)

حدیث کا تیسرا مطلب:

بعض علماء نے فرمایا: سوال اپنے ظاہر پر ہے اور اَیْنِیَّت (ظرفیت) مجازی ہے اور "عماء" مرتبہ احدیت ہے۔

اس کے علاوہ بھی اس حدیث کے مطالب بیان کئے گئے ہیں، اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہ متشابہات میں سے ہے اور اس کا علم (اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ) کے سپرد ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی کا مؤقف:

الیواقیت والجواھر میں فتوحات مکیہ سے استفادہ کرتے ہوئے فرمایا کہ علی الاطلاق سب سے پہلی مخلوق ھباء ہے، اس کی تائید حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے جسے قصری نے روایت کیا ہے اور جس کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ لیکن الیواقیت کے بیان پر ایک واضح اعتراض وارد ہوتا ہے، کیونکہ فضا کا وجود زمین کے پھیلانے اور آسمان کو بلندی عطا کرنے کے درمیان اور پانی کے وجود کے بعد تھا، اس لئے فضا کی اولیت حقیقی نہیں بلکہ بعض اشیاء کی نسبت سے ہے، ہمارے اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ سب سے پہلے موجود ہیں، انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ھباء (مادۂ کائنات) کو پیدا کیا اور اس میں تمام حقیقتوں سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ حقیقت مصطفیٰ ﷺ تھی، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے مطابق کائنات کو ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تو عالم (کائنات) اس مقدس ارادے سے حقیقت کلیہ پر نازل ہونے والی ایک قسم کی تجلیات تنزیہ کے ذریعے متاثر ہوا تو وہ ھباء پیدا ہوئی اور یہ ایسے ہے جیسے چونے اور گچ کا ڈھیر لگا دیا گیا ہو، تاکہ اس میں جیسی شکلیں اور صورتیں چاہے بنا دے (گویا

مخلوقات کا مٹیریل پیدا فرمایا: ۲ (قادری) پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے نور کی تجلی فرمائی، جب کہ عالم اس میں بالقوۃ موجود تھا، تو ہر شے نے نور سے قریب ہونے کے مطابق اس تجلی کے نور سے نورانیت حاصل کی، جیسے چراغ کے نور سے گھر کا گوشہ روشن ہو جاتا ہے، پس اس نور سے قرب کے مطابق ہر چیز نے نورانیت کو قبول کیا، جتنا قرب زیادہ تھا، اتنا ہی اس نے نورانیت کو زیادہ قبول کیا، اور حقیقت مصطفےٰ (ﷺ) سے بڑھ کر کوئی اس کے قریب نہیں تھا، اس لیے مادے سے پیدا ہونے والی تمام چیزوں سے زیادہ حقیقت محمدیہ نے ہی نورانیت کو قبول کیا۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ کائنات کے ظہور کے لئے مبدا اور پہلے موجود تھے، اور اس مادے میں سب انسانوں سے زیادہ آپ کے قریب، تمام انبیاء کے رازوں کے جامع حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

دوسرا اشکال:

اگر نور کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تنہا پیدا کیا گیا تھا، اب دو ہی صورتیں ہیں کہ وہ عرض تھا یا جوہر؟ اگر عرض تھا جیسے کہ نور (روشنی) کی شان ہے تو اس پر اعتراض وارد ہوگا کہ عرض تو صرف محل میں پایا جاتا ہے (جب کہ اس وقت کوئی دوسری مخلوق موجود ہی نہیں تھی) اور اگر ہم کہیں کہ وہ جوہر تھا جیسے کہ بعض محققین نے اس بنیاد پر کہا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا تھا وہ نور چلا جاتا تھا، تو اس پر اشکال وارد ہوگا کہ اس سے پہلے یا اس کے ساتھ ایک خلا کا ہونا ضروری ہے جسے وہ پُر کرے، بہر صورت تنہا اس کا وجود نا قابل تصور ہے۔ اس لیے اسے پہلی مخلوق نہیں کہا جا سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ''اس وقت لوح بھی نہیں تھی'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نور کے ساتھ وقت بھی موجود تھا، یہ بات بھی اس کی اولیت کے خلاف ہے۔

جواب:

اس اعتراض کا جواب دو طرح سے ہے:

(۱)۔ جو بھی صورت ہو اس نور کے تنہا پائے جانے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ وجود ان امور میں سے تھا جو خلاف عادت ہوتے ہیں، لہٰذا اس کا قیاس ان چیزوں پر نہیں کیا جائے گا جو ہماری عقلوں میں آتی ہیں، یہ قیاس کس طرح صحیح ہوگا؟ جبکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے ہمیں سچا نبی بنا کر بھیجا، ہمیں حقیقۃً ہمارے رب کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔

جہاں تک وقت مذکور کا تعلق ہے تو وہ امر تخیلی ہے، کیونکہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ زمانہ آسمان (نمبر۹) کی حرکت کی مقدار کا نام ہے اور اس وقت تو نہ کوئی مخلوق تھی اور نہ ہی کوئی حرکت۔

ایک اور جواب جو اس کے قریب ہے یہ ہے کہ وہ نور ان جواہر مجردہ میں سے تھا جو عناصر اربعہ میں سے کسی بھی عنصر کے مادے اور اس کے عوارض مثلاً مکان میں متحیز ہونے سے پاک ہیں۔

(میں کہتا ہوں) کہ یہ جواب اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب مجردات کو جوہر و عرض کے علاوہ موجودات کی

تیسری قسم شمار کیا جائے، چنانچہ فلاسفہ اور اہل سنت جماعت میں سے امام غزالی، حلیمی، راغب اصفہانی اور بعض صوفیہ اس کے قائل ہیں، فلاسفہ کا کہنا ہے کہ مجردات نہ تو خود متحیز ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی متحیز کے ساتھ قائم ہوتے ہیں، انہوں نے ان کا نام ''جواہر روحانیہ'' رکھا ہے، اور عقول و ارواح کو اسی زمرے میں شمار کیا ہے، ان کے نزدیک عقول و ارواح قائم بنفسھا تو ہیں، لیکن متحیز نہیں ہیں، بلکہ اجسام کے ساتھ ان کا تعلق تدبیر اور تصرف والا ہے، یہ نہ تو اجسام میں داخل ہیں اور نہ ہی خارج ہیں۔ لیکن جمہور اہل سنت ان کے قائل نہیں ہیں اور جن حضرات نے اس مسئلے میں فلاسفہ کی تائید کی ہے ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ امام علامہ عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی نے اس قول کے باطل ہونے کی تصریح کی ہے۔

(۲)۔ ہوسکتا ہے کہ جس خلا میں وہ نور متحیز ہوا ہو وہ اس کے ساتھ ہی پیدا ہوا ہو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ اسی نور کی ایجاد کا تتمہ ہے، لہٰذا یہ امر نور کے مطلقاً اول ہونے کے منافی نہیں ہے، جیسے کہ ہم اس پہلے اس کی آمد و رفت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

تیسرا اشکال:

یہ ہے کہ (مِنْ نُوْرِہٖ) میں اضافت لامیہ ہے یا بیانیہ؟ اگر اضافت لامیہ ہو تو اصل عبارت اس طرح ہوگی (من نور له تعالیٰ) اب اشکال یہ پیدا ہوگا کہ وہ نور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم تھا یا نہیں؟ اگر کہو کہ قائم تھا تو ذات باری تعالیٰ کا جسم ہونا لازم آئے گا، کیونکہ نور اجسام کے ہی ساتھ قائم ہوتا ہے، دوسرا اشکال یہ پیدا ہوگا کہ وہ نور باری تعالیٰ قدیم ہے یا حادث؟ اگر قدیم ہے تو (جب وہ نور نور مصطفےٰ ﷺ کے لیے مادہ بنے گا تو) قدیم کا حادث کے لیے مادہ ہونا لازم آئے گا اور اگر کہو کہ وہ حادث ہے (اس کے باوجود ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے) تو حادث کا قدیم کے ساتھ قائم ہونا لازم آئے گا۔ دوسری خرابی یہ لازم آئے گی (کہ وہ حادث نور مخلوق ہوگا اور نور محمدی سے پہلے ہوگا) تو ایک مخلوق کا نور محمدی سے پہلے ہونا لازم آئے گا اور یہ حدیث کی نص کے خلاف ہوگا۔

اور اگر کہو کہ وہ نور ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم نہیں ہے تو بھی اس میں دو احتمال ہیں کہ وہ قدیم ہے یا حادث؟ اگر قدیم ہے تو قدیم کا حادث کے لیے مادہ ہونا لازم آئے گا، جیسے اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور اگر کہو کہ حادث ہے، تو ایک مخلوق کا نور محمدی علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے ہونا لازم آئے گا، یہ اشکال بھی اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ (من نورہ) کی اضافت بیانیہ ہے، تو اصل عبارت یوں ہوگی (من نور هو ذاته) جیسے (الله نور السمٰوات والارض) میں ہے (اور حدیث کا مطلب ہوگا کہ نور محمدی ﷺ اس نور سے پیدا ہوا جو ذات باری تعالیٰ کا عین ہے) تو اس سے ذات باری تعالیٰ کا منقسم ہونا اور حادث (نور محمدی ﷺ) کے لیے مادہ ہونا لازم آئے (اور یہ بھی باطل ہے)

جواب:

ہم پہلی شق اختیار کرتے ہیں کہ یہ اضافت لامیہ ہے اور اس وقت نور سے مراد وہ نور نہیں جو عرض ہے، بلکہ اس سے مراد ظہور ہے، جیسے کہ اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (نور) کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو خود ظاہر ہے اور

دوسرے کو ظاہر کرنے والا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور محمدی ﷺ کو اپنے ظہور سے (یعنی بلاواسطہ) پیدا فرمایا، بر خلاف باقی تمام مخلوقات کے کہ وہ اس نور شریف کے ظہور کے واسطے سے پیدا ہوئیں۔ اس صورت میں لفظ "مِنْ" ابتدائیہ ہے اور اس سے یہی متبادر ہے۔

یہ جواب سید عبدالرحمٰن عیدروس نے "شرح الصلاۃ الشجریۃ" میں دیا ہے، یہ جواب زیادہ ظاہر ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اضافت بیانیہ ہے اور "مِنْ" میں دو احتمال ہیں (۱) ابتدائیہ ہو، اب مطلب ہوگا (مِنْ ذاتہ) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نور محمدی ﷺ کے لیے مادہ ہے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ قدرت الٰہیہ کا تعلق اس نور کے ساتھ براہ راست ہوا اور اس کے وجود میں کسی چیز کا واسطہ نہیں تھا۔ (۲) "مِنْ" باء کے معنی میں ہو، یعنی بذاتہ اور کسی واسطے کے بغیر، یہ جواب اگرچہ صحیح ہے لیکن اس میں تکلف اور بُعد ہے۔

ایک اور جواب اور اس کا تجزیہ:

بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ یہ اضافت لامیہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ نور محمدی ﷺ اس نور سے پیدا کیا گیا جو آپ کے لیے پہلے پیدا کیا گیا تھا، پھر اس کی نسبت آپ کی طرف کی گئی، بتانا یہ تھا کہ وہ نور عظیم چیز ہے، اور اس کی دربار الٰہی سے خاص مناسبت ہے، رہا یہ سوال کہ پھر تو ایک مخلوق کا اس نور سے پہلے ہونا لازم آ گیا، تو یہ سوال وارد نہیں ہوتا، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ نور پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہو کہ وہی نور محمدی ﷺ ہو، پس وہ نور ہی نور محمدی ﷺ ہوگا لیکن اس کا نام نور محمدی ﷺ اس وقت رکھا گیا جب ارادہ الٰہی کا تعلق مخلوق کے ظاہر کرنے سے ہوا۔ اب (خَلَقَ نورَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ) کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نور کو دوسری صورت عطا کی۔ اس کے قرب میں اضافہ کیا اور اس کا نام "نورِ محمد" ﷺ رکھا۔ (ان کا کلام ختم ہوا)

اس جواب پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ تمام احادیث سے متبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خَلْق کا معنی معدوم کو پیدا کرنا ہے، نہ کہ موجود کو نئی صورت دینا، اسے قریب کرنا اور اس کا نام رکھنا، دوسری بات یہ ہے کہ یہ سب باتیں اگر قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہوں تو ان سے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ بلکہ اصل تصویر کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں جس پر اعتماد کیا جائے، اگرچہ حدیث میں آیا ہے کہ نور شریف کو مقام قرب میں بارہ ہزار سال رکھا گیا اور نبی اکرم ﷺ کا نام مخلوق کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے رکھا گیا۔

فاضل مذکور نے جو یہ فرمایا کہ پہلے نور پیدا کیا گیا، جسے دوسری صورت دی گئی اور اس کا نام "نورِ محمد" رکھا گیا، غالباً یہ سوچ اُن حدیث مرفوع سے لی گئی ہے جس میں آیا ہے کہ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! تو نے مجھے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ فرمایا: اے حبیب! میں نے اپنے اُس نور کی سفیدی کی صفائی کی طرف نظر کی، جسے میں نے اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی حکمت سے اسے بغیر کسی سابق مثال کے پیدا کیا، اس کی عزت افزائی کے لئے میں نے اس کی نسبت اپنی عظمت کی طرف کی اور میں نے اس سے ایک جز نکالی اور اسے تین حصوں میں تقسیم کیا، پہلی قسم سے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو پیدا کیا، دوسری قسم سے آپ کی ازواج مطہرات اور صحابہ کو پیدا کیا، تیسری قسم سے آپ کے محبت والوں کو پیدا کیا۔ جب قیامت

کا دن ہوگا تو میں نور کو اپنے نور کی طرف لوٹا دوں گا، آپ کو، آپ کے اہل بیت کو، آپ کے صحابہ کو اور آپ کے اہل محبت کو
رحمت سے اپنی جنت میں داخل کر دوں گا، اور اے حبیب! میری طرف سے انہیں یہ خوشخبری دے دیجئے۔

غور کیجئے کہ اس حدیث کے یہ الفاظ "میں نے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو پیدا کیا" یہاں سے لے کر
کے آخر تک کے الفاظ اس فاضل کے جواب کے منافی ہیں، ان کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ نور محمدی ﷺ سے پہلے ایک
اور نور تھا، لیکن اس روایت کے مطابق تو وہ نور، نور محمدی ﷺ اور اس کے غیر کی طرف منقسم ہوا، تو یہ نور اس نور کا عین نہ
علاوہ ازیں اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس کی تاویل کر کے اسے دوسری روایات کے موافق بنانا چاہئے، نہ کہ برعکس۔

ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ (من نورہ) سے مراد یہ ہے کہ نور محمدی ﷺ اس چیز سے پیدا کیا گیا جو قدیم
اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرح ازل سے موجود ہے، اسے مجازاً نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ
سے قدیموں کا متعدد ہونا لازم آتا ہے۔ مزید یہ کہ ایسی چیز کا ثابت کرنا لازم آتا ہے جس کا قرآن وحدیث کی رو سے کو
ثبوت نہیں ہے۔

چوتھا اشکال:

یہ ہے کہ امام عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو نور کو چ
حصوں میں تقسیم کیا، پہلی جز سے قلم، دوسری سے لوح، تیسری سے عرش کو پیدا کیا، یہاں تک کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی
سے آسمانوں کو، دوسری سے زمینوں کو پیدا فرمایا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کو عرش سے پہلے اور آسمانوں
زمینوں سے پہلے سے پیدا کیا، حالانکہ علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ نور محمدی ﷺ کے بعد سب سے پہلے پ
پیدا کیا گیا، اس کے بعد عرش، اس کے بعد قلم اور اس کے بعد لوح محفوظ کو پیدا کیا گیا؛ اسی طرح زمین آسمانوں سے پہلے
کی گئی۔

جواب: (واللہ تعالیٰ اعلم)

حدیث شریف کے ان الفاظ "پہلی جزء سے قلم کو پیدا کیا" سے گنتی اور بیان میں پہلی جزء مراد ہے، و
میں پہلی جزء مراد نہیں ہے، گویا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک جزء سے قلم کو پیدا کیا اور ایک قسم سے لوح محفوظ کو، اسی طر
ثانی اور ثالث کے بارے میں کہا جائے گا، پھر اس جگہ عطف واؤ کے ساتھ ہے، جو ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی، لہٰذا نور کی ایک
قسم سے پانی کا قلم سے پہلے پیدا کرنا، پھر عرش، پھر قلم اور اس کے بعد لوح محفوظ کا پیدا کرنا، اس حدیث کے منافی نہیں ہے
اسی طرح زمین کی پیدائش کا آسمان سے پہلے ہونا بھی اس حدیث کے خلاف نہیں ہے، تاہم آپ جانتے ہیں کہ آسمان کا ما
دھواں زمین سے پہلے پیدا کیا گیا تھا، اس لئے زمین کی سبقت کا اشکال وارد نہیں ہوگا۔

علماء کی ایک جماعت نے مخلوق کی پیدائش کے لحاظ سے جس ترتیب کو صحیح قرار دیا ہے، اس کی دلیل صحیح بخاری
مرفوع حدیث ہے، جس میں آتا ہے اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں تھی، جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا

اس میں اشارہ ہے کہ کائنات کی ابتداء پانی اور عرش سے ہوئی، لیکن نور شریف ﷺ کے بعد، اس سے پہلے حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے، جسے امام احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا، اس حدیث میں ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا کیا گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ پانی ہوا کی پشت پر تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوا بھی عرش سے پہلے پیدا کی گئی تھی۔

اس سلسلے میں اس سے بھی زیادہ صریح وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو نور سے ایک یاقوت پیدا کیا، جس کی موٹائی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں جتنی تھی، پھر اسے بلایا تو وہ خطاب الٰہی کی ہیبت کے خوف سے پگھل کر پانی ہو گیا، وہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کے خوف سے قیامت تک کانپتا اور لرزتا رہے گا۔ پھر ہوا کو پیدا کیا اور پانی کو اس کی پشت پر سوار کر دیا، پھر عرش کو پیدا کیا اور اسے پانی کی پشت پر رکھ دیا۔

ابن عباس ہی سے ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا، اس وقت کوئی مخلوق نہیں تھی، اس قادر وقیوم نے ایک نور پیدا کیا، اس نور سے تاریکی پیدا کی، اس تاریکی سے ایک اور نور پیدا کیا اور اس نور سے ایک سبز یاقوت پیدا کیا جس کی موٹائی سات آسمانوں، سات زمینوں اور جوان کے درمیان ہے، سب کے برابر تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس یاقوت کو خطاب کیا، جب یاقوت نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو خوف سے پانی ہو گیا، اس ہیبت کی دہشت اور خوف کی وجہ سے وہ پانی دوسرے پانی کے اوپر چڑھ گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو پیدا کیا، اور پانی کو ہوا کی پشت پر رکھ دیا، پھر عرش کو پیدا کیا اور اسے پانی کے اوپر رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے عرش کی ایک ہزار زبانیں پیدا کیں، ہر زبان ایک ہزار انداز سے اپنے خالق کی تسبیح اور حمد کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے عرش کی پیشانی پر لکھا: بے شک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں یکتا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں محمد مصطفیٰ ﷺ میرے عبد مکرم اور رسول ہیں، جو شخص میرے رسولوں پر ایمان لایا اور اس نے میرے وعدے کی تصدیق کی میں اسے جنت میں داخل کروں گا۔

پھر عرش کے دو ہزار سال بعد کرسی کو ایسے جوہر سے پیدا کیا جو اس جوہر سے مختلف تھا جس سے عرش کو پیدا کیا تھا، عرش کے پیٹ میں کرسی کی حیثیت ایسی ہے جیسے جنگل کے درمیان ایک چھلّہ پھینک دیا گیا ہو، اسی طرح آسمان اور زمینیں کرسی کے پیٹ میں اس چھلّے کی طرح ہیں جو جنگل کے درمیان پھینک دیا گیا ہو۔

پھر قلم کو نور سے پیدا کیا، اور اسے زمین سے لے کر آسمان تک کے فاصلے کی لمبائی عطا کی، پس وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گیا، پھر لوح محفوظ کو پیدا کیا، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سربسجود ہو گئی، پھر ان دونوں کو فرمایا کہ اپنے سر اٹھاؤ، قلم کیلئے تین سو ساٹھ دندانے پیدا کئے، ہر دندانہ علوم کے تین سو ساٹھ سمندروں سے مدد لیتا ہے، لوح محفوظ سبز زمرّد کی ہے، اس کی دو جانبیں یاقوت کی ہیں، اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا: لکھ، اس نے عرض کیا: میرے رب! کیا لکھوں؟ فرمایا: لوح محفوظ میں لکھ، پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک ہونے والی چیزیں لکھواتا ہے، اس حدیث کو اسحاق ابن بشر نے مقاتل بن سلیمان

سے، انہوں نے ضحاک بن مزاحم سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، لیکن اسحاق، مقاتل اور ضحاک کی طرح ضعیف ہے اور اگر ضحاک کی توثیق بھی کی گئی ہو تو ان کی ملاقات ابن عباس سے نہیں ہوئی، اس لئے یہ سند منقطع ہے۔

پانچواں اشکال:

یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ حدیث میں بیان کی گئی قسموں میں سے ایک قسم ہے، یعنی تقسیموں کے بعد چوتھی جز، حالانکہ ایک حقیقت تقسیم نہیں ہوا کرتی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حقیقت محمدیہ تمام قسموں کا مجموعہ ہے، یا آخری قسم ہے؟ اگر تمام قسموں کا مجموعہ ہو تو لازم آئے گا کہ ایک حقیقت تقسیم ہو جائے (حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا) اور اگر آخری قسم ہے تو منقسم ہونے کا کیا مطلب؟

جواب: دو طرح سے ہے۔

(۱)۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نور شریف پر حقیقت ھبائیہ (مادۂ تخلیق) سے یا کسی اور چیز نے اس لئے اضافہ کیا گیا کہ اس نور مبارک کے انوار و تجلیات سے امداد اور ضیاء حاصل کرے، چنانچہ وہ اضافہ ضیاباری سے فیض یاب ہو گیا، تو اس سے فلاں، فلاں چیز پیدا کی گئی، اس لیے یہ انقسام صوری ہے، حقیقت میں انقسام نہیں ہے، حقائق کے باہمی امتیاز کے باوجود یہ صرف امداد اور انوار کا حاصل کرنا ہے، اس کی مثال ایک چراغ کی ہے جس سے بہت سے چراغ روشن ہوتے ہیں اور وہ اپنی حالت پر باقی رہتا ہے، اسی طرف علامہ بوصیری اشارہ فرماتے ہیں ۔

اَنْتَ مِصْبَاحُ کُلِّ فَضْلٍ فَمَا
تَصْدُرُ اِلَّا عَنْ ضَوْئِکَ الْاَضْوَاءُ

''آپ ہر فضیلت کے سراج منیر ہیں، چنانچہ تمام روشنیاں آپ ہی کی روشنی سے پھوٹتی ہیں''۔

(۲)۔ اس جواب کے مطابق بھی انقسام صوری ہے، نبی اکرم ﷺ کا نور حقائق پر ان کے مراتب کے مطابق چمکتا تھا، ان میں سے کوئی حقیقت زیادہ نور حاصل کرتی تھی اور کوئی کم، اس طرح مظہر میں انقسام ظاہر ہو جاتا، جب آپ کا نور کسی حقیقت پر چمکتا اور وہ آپ کے نور سے منور ہو جاتی، تو یوں معلوم ہوتا کہ یہاں دو نور ہیں ایک مفیض اور ایک مُفاض، اس طرح ظاہر میں تعدد پیدا ہو جاتا، جب کہ پہلے ایک ہی نور تھا، اور درحقیقت اس جگہ تعدد نہیں ہے۔ بلکہ نور منور ہونے کے قابل چیز پر چمکا تو وہ منور ہو گئی، بعض اوقات یہ قابل اپنی قوت کے مطابق منور ہونے کی صلاحیت رکھنے والی چیزوں پر چمکتا ہے تو وہ اس کے ذریعے منور ہو جاتی ہیں، اس طرح وسائط کے ذریعے انقسام صوری بھی متعدد ہو جائے گا، امام بیہقی کی روایت میں اسی طرف اشارہ ہے: پھر انبیاء کی روحوں نے سانس لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سانسوں سے اولیاء کی روحیں پیدا فرما دیں''۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے سورج کا نور ستاروں پر چمکتا ہے تو ستارے اپنی روشنی زمین پر بکھیر دیتے ہیں، یہ اس قول کے مطابق ہے کہ تمام ستارے سورج کے نور سے منور ہوتے ہیں، ان کا نور ذاتی نہیں ہے۔ اسی طرف امام بوصیری اشارہ کرتے ہیں ۔

فَاِنَّکَ شَمْسٌ وَّالْمُلُوْکُ کَوَاکِبُ
اِذَا ظَهَرَتْ لَمْ یَبْدُ مِنْهُنَّ کَوْکَبُ

''آپ آفتاب ہیں اور بادشاہ ستارے ہیں اور جب سورج ظاہر ہوتا ہے تو ستارے دکھائی نہیں دیتے''۔

یا اس کی مثال سورج کے نور کی شعاعوں کی طرح ہے جو پانی یا شیشے کی بوتلوں پر پڑتی ہیں تو ان کے سامنے آنے والے درخت اور دیواریں روشن ہو جاتی ہیں، پس سورج کا نور اپنی جگہ جگمگا رہا ہے اور اس سے کوئی چیز جدا نہیں ہوئی، اس مناسبت سے مجھے ایک خوبصورت شعر یاد آ رہا ہے۔

تَرَاءَیٰ وَمِرْآۃُ السَّمَاءِ صَقِیْلَۃٌ
فَاَثَّرَ فِیْهَا وَجْهُهٗ صُوْرَۃَ الْبَدْرِ

''آسمان کا آئینہ چونکہ شفاف تھا اس لئے جب میرا ممدوح آمنے سامنے ہوا تو اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح اس میں نقش ہو گیا''۔

حضرت غوث زماں شیخ عبدالعزیز دباغ (صاحب ابریز) ﷫ نے نور شریف کے حقائق میں جلوہ فگن ہونے کو انہیں سیراب کرنے سے تعبیر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ سیراب کرنے سے وہ نور کچھ کم ہو جاتا ہے، کیونکہ دوسری اشیاء کے مستفید اور مستنیر ہونے سے انوار اپنی جگہوں سے جدا نہیں ہوتے۔ (اھ) یہ تقریر پہلے جواب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے، لیکن سیدی عبداللہ عیاشی نے اپنی ''رحلت'' (سفرنامے) میں کہا ہے کہ دوسرا جواب ہی صحیح ہے اور کشف سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

میں (شیخ عیسیٰ مانع) کہتا ہوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں صورتیں ظاہر ہوئی ہوں، کبھی پہلی اور کبھی دوسری، کیونکہ غوث دباغ رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے وہ بھی کشف سے فرمایا ہے، ہاں دوسری صورت کی تائید مواہب لدنیہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا فرمایا تو اسے انبیاء کرام کے انوار کی طرف نظر کرنے کا حکم دیا، جب آپ کے نور نے انبیاء کرام علیہم السلام کے نور کی طرف نظر کی تو آپ کا نور ان پر چھا گیا، اللہ تعالیٰ نے ان انوار کو قوتِ گویائی عطا کی تو انہوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! یہ کس کا نور ہم پر چھا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ محمد بن عبداللہ ﷺ کا نور ہے، اگر تم اُن پر ایمان لاؤ تو میں تمہیں انبیاء بنا دوں گا، انہوں نے عرض کیا کہ ہم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں تمہارا گواہ بن جاؤں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، یہی بیان ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں۔ (وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (سے) الشاهدین (تک) (اھ)

صاحب مواہبؒ نے جو فرمایا ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ نے آپ کا نور پیدا فرمایا'' تو غالباً اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جب اس نور کی تخلیق کو مکمل کیا اور اس پر نبوت وغیرہ کمالات کا فیضان کیا، صرف نور کا پیدا کرنا مراد نہیں ہے، اب اس عبارت کا یہ مطلب نہیں نکلے گا کہ دوسرے انبیاء کے انوار آپ کے نور سے پہلے پیدا کئے گئے تھے، کیونکہ کسی چیز پر حکم لگایا جائے تو اس کا

تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز پہلے موجود ہو (جب حدیث مذکور کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ انبیاء کرام کے انوار کی طرف نظر کریں تو اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ انوار پہلے پیدا کئے جا چکے تھے، اس لئے اس عبارت کی توجیہ کی گئی ہے۔ ۱۲ قادری) یا یہ مطلب ہے کہ اس نور کو حکم دیا کہ آئندہ زمانے میں جب انبیاء کرام علیہم السلام کے انوار پیدا کئے جائیں تو ان کی طرف نظر کرنا۔

دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا، پھر ان پر اپنے نور کی روشنی ڈالی، اس دن اس نور سے جسے حصہ مل گیا وہ ہدایت پا گیا اور جو محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا، اس حدیث کو امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا، اس لیے اگر کہا جائے کہ ''خلق'' سے مراد وہ حقائق ہیں جن کا تذکرہ اس سے پہلے ہو چکا ہے، اور وہ نور جو ان پر ڈالا گیا اس سے مراد نور محمدی ہو تو یہ قریب الی الفہم ہے، جیسے کہ گزر چکا، حدیث شریف کا یہ جملہ (وَمَنْ اَخْطَاَهُ ضَلَّ) (اور جو اس نور سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا) ہمارے بیان کردہ مطلب کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ مطلب ہو کہ جسے اس نور کا بعض حصہ یعنی ''امدادِ ہدایت'' مل گیا وہ ہدایت یافتہ ہوا اور جو اس امداد سے محروم رہا وہ گمراہ ہو گیا (کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ نور سب پر جلوہ گر ہوا، لیکن اس کی ہدایت کسی کسی کے حصے میں آئی۔ ۱۲ قادری)

حدیث شریف میں جو (مِنْ ذٰلِکَ النُّوْرِ) یہ (مِنْ) معنوی اعتبار سے اسم ہے اور اس کا معنی بعض ہے، اور (اَخْطَاَ) کی ضمیر بھی اسی کی طرف راجع ہے، اور لفظ ''مَنْ اَصَابَ'' کا فاعل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کی شعاعیں تو سب مخلوق پر ڈالیں، تاکہ اس کے ذریعے ان کی ذاتیں یا ان کے مادے درست ہو جائیں، لیکن ہدایت والی امداد سب کو نہیں، بلکہ بعض کو ملی۔

بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث شریف میں واقع لفظ خلق سے مراد وہ عالمِ ذرات ہے جسے (اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ) یوم الست گواہ بنایا گیا تھا (یعنی اس دن تمام انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی صورت میں برآمد کیا اور ان سے عہد لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو انہوں نے کہا: ہاں تو ہمارا رب ہے۔ ۱۲ قادری)

اور وہ نور جس کا چھڑکاؤ کیا گیا اس سے مراد ہدایت کا لطف و کرم ہے، بارش کی ابتدا قطروں (پھوار) سے ہوتی ہے، پھر موسلا دھار بارش برستی ہے۔

بعض علماء نے حدیث شریف کا ایک تیسرا مطلب بیان کیا کہ ممکن ہے مخلوق سے مراد جنات اور انسان ہوں اور اندھیرے سے مراد برائی کا حکم دینے والے نفس کا اندھیرا ہو اور نور سے مراد قائم کئے گئے دلائل و شواہد اور ڈرسنانے والی آیات ہوں جو نازل کی گئیں۔ یہ مطلب بہت ہی بعید ہے، خصوصاً حدیث شریف میں ہے (فمن اصابہ من ذٰلک النور یومئذ) (یہ اس توجیہ کے موافق نہیں ہے کیونکہ دلائل و شواہد سے جو لوگ فائدہ اٹھائیں گے وہ دنیا میں فائدہ اٹھائیں گے، اس دن فائدہ نہیں اٹھایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا۔ ۱۲ قادری) ہم نے جو مطلب ابتدا میں بیان کیا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ حقیقت کے زیادہ قریب ہوگا۔ اگرچہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی عالم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہو۔

حضرت غوث دباغ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اس امت کے مؤمنین وغیرہم اس نور شریف سے آٹھ

بار سیراب کیے گئے:

(۱)۔ عالم ارواح میں جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو پیدا کیا تو اس وقت سیراب کیا (میں کہتا ہوں) کہ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم تمام روحوں کے باپ ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے نور سے ہیں اور مومن ہمارے نور کا فیض ہیں، ہم نے جو اس سے پہلے بیان کیا ہے یہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے، کیونکہ ''جملہ ارواح'' گمراہوں کی روحوں کو بھی شامل ہے، یہی بات غوث دباغ نے کہی ہے۔

(۲)۔ جب اللہ تعالیٰ نے روحوں کو الگ الگ کیا اور صورتیں عطا کیں، تو ہر روح کو صورت دینے کے وقت سیراب کیا۔

(۳)۔ ''الست بربکم'' کے دن، پس آپ نے ہر جواب دینے والے کو سیراب کیا، ہاں بعض کو کم سیراب کیا اور بعض کو زیادہ، اس لیے وہ مراتب میں مختلف ہوئے، یہاں تک کہ ان میں سے انبیاء کرام، اولیاء عظام وغیرہم ہوئے، رہے کفار تو انہوں نے ہدایت کا وہ پانی پینا پسند نہ کیا اور جب پینے والوں کی سعادت کو دیکھا تھا تو شرمندے ہوئے اور اندھیروں سے پناہ مانگا، اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ (میں کہتا ہوں) کہ اس سے دوسرے قول کی تائید ہوتی ہے۔

(۴)۔ جب ماؤں کے پیٹوں میں صورت دی گئی، اس وقت سیراب کیا، تا کہ جوڑ نرم ہوں، آنکھیں اور کان کھل جائیں، اگر سیراب نہ کئے جاتے تو یہ سب کچھ حاصل نہ ہوتا۔

(۵)۔ روح پھونکنے کے وقت سیراب کیا، ورنہ روح داخل نہ ہوتی، اس کے باوجود وہ فرشتوں کے دباؤ سے داخل ہوتی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اسے حکم نہ دیتا اور وہ اس حکم کو نہ پہچانتی تو فرشتہ اسے آدمی کی ذات میں داخل نہ کر سکتا۔

(۶)۔ جب بچہ پیٹ سے برآمد ہوتا ہے، اس وقت اسے القاء کیا جاتا ہے کہ کھانا منہ سے ہے، اگر اسے سیراب نہ کیا جاتا تو وہ نہ کھا سکتا۔

(۷)۔ پہلے پہل دودھ پینے کے لئے پستان کو منہ میں لیتے وقت (میں کہتا ہوں کہ) اس کی حکمت بیان نہیں کی، غالباً وہ یہ ہے کہ بچہ ایک ہی خوراک یعنی دودھ کا عادی بن جائے یہاں تک کہ دوسری غذائیں کھانے کے قابل ہو جائے۔

(۸)۔ قیامت کے دن جب اٹھائے جانے کے وقت صورتیں دی جائیں گی، اس وقت سیراب کیا جائے گا، تا کہ ذوات قائم ہو جائیں، حضرت غوث دباغ نے فرمایا کہ آخری پانچ صورتوں میں مومنوں کی ذوات کے ساتھ غیر مسلموں کی ذوات بھی شریک ہوتی ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو دوزخ چل کر دنیا میں ان کے پاس آجاتی اور انہیں کھا جاتی، قیامت کے دن بھی ان کی طرف پیش قدمی نہیں کرے گی اور انہیں کھائے گی نہیں یہاں تک ان کی ذوات نے اس نور مبارک سے جو درستی اور خوبی حاصل کی ہوگی اسے جدا کر دے گی، مختصر یہ کہ آٹھ میں سے صرف تیسری صورت ہے جس میں غیر مسلم فیض یاب نہیں ہوئے، ہاں انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام مومن تمام صورتوں میں سیراب ہونے میں شریک ہیں، لیکن جس پیمانے پر انبیاء کرام علیہم السلام کو سیراب کیا گیا اس کی دوسرے لوگ طاقت ہی نہیں رکھتے، اسی طرح اس امت کے مومنوں کو دوسری امتوں کے

مومنوں پر فضیلت حاصل ہے اور وہ یہ کہ انہیں نور شریف سے اس وقت سیراب کیا گیا جب وہ نور آپ کی ذات شریفہ میں داخل ہوا اور اس نے آپ کی ذات اقدس کے سرّ اور روح انور کے سرّ کو جمع کیا، دوسری امتوں کے مومنوں نے صرف آپ کی روح انور کے سرّ سے فیض حاصل کیا، یہی وجہ تھی کہ یہ امت درمیانی، کامل، عادل اور بہترین امت بن گئی، جسے تمام لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا۔

(یہ گفتگو تھی امام شہاب الدین احمد بن احمد بن اسماعیل حلوانی، خلیجی، شافعی، مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی، وہ عظیم عالم بھی تھے اور شاعر بھی، ۹ ذوالحجہ کو مصر کے مغربی حصے ''رأس الخلیج'' کے شہر میں ۱۳۰۸ھ میں فوت ہوئے، ان کی درج ذیل تصانیف ہیں:

(۱) الاشارة الآصفية في مالا يستحيل بالانعكاس في الصورة الرسمية في بعض محاسن الدمياطية.

(۲) البشرىٰ باخبار الإسراء والمعراج الاسرى.

(۳) شذا العطر في زكاة الفطر.

(۴) مواكب الربيع.

(۵) العلم الأحمدي بالمولد المحمدي

(۶) الناغم في الصادح والباغم.

(معجم المؤلفین از عمر رضا کحالہ (۱/۱۴۶) ہدیۃ العارفین (۵/۱۹۲) اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے

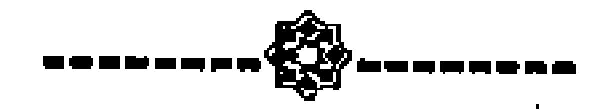
اولیتِ نورِ مصطفیٰ ﷺ:

نبی اکرم ﷺ کے اول ہونے کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں، ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے ابو طاہر مخلص نے ''الفوائد'' میں (خ ل ۲۴۸/ب) میں سند حسن کے ساتھ، ابن ابی عاصم نے ''الاوائل'' (۲۷) میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (۵/۴۸۳) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو انہیں اپنے نبی مکرم ﷺ کی خبر دی، تو وہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام کے بعض پر فضائل دیکھنے لگے، انہیں ان کے آخر سے ایک نور ابھرتا ہوا دکھائی دیا۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کیسا نور ہے؟ فرمایا: یہ آپ کے بیٹے احمد (ﷺ) کا نور ہے، وہ اول بھی ہیں اور آخر بھی، اور سب سے پہلے ان ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

دوسری حدیث وہ ہے جسے ابن سعد نے طبقات (۱/۱۴۹) میں، امام بخاری نے تاریخ کبیر (۶/۶۸) میں، انہوں نے ہی تاریخ صغیر (۱/۱۳) میں، امام طبرانی نے معجم کبیر (۱۸/۲۵۲) میں، حاکم نے مستدرک (۲۸/۴۱۸) میں، امام بیہقی نے دلائل (۱/۸۰) میں، ابن حبان نے اپنی صحیح (۶۳۷۰) میں حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خاتم النبیین تھے، جب کہ آدم علیہ السلام کا جسم آب و گل کے درمیان تھا، ہم تمہیں اس بارے میں بتاتے ہیں، ہم اپنے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہیں، اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری کا حاصل ہیں اور اپنی والدۂ ماجدہ کے اس خواب کی تعبیر ہیں جو انہوں نے دیکھا، اسی طرح

امہات المؤمنین بھی خواب دیکھتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ نے ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات روشن ہوگئے......اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث اور آثار ہیں جو میں نے اپنی کتاب ''نور البدایات اور ختم النہایات'' میں بیان کئے ہیں، میں نے قرآن کریم، سنت مطہرہ اور جلیل القدر علماء کے ارشادات کے دلائل سے سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کیلئے اولیت مطلقہ ثابت کی ہے۔

(والحمد للّٰہ رب العالمین)



کتاب الطہارۃ

باب ۲:

وضو کے بیان میں

۱۹۔ امام عبدالرزاق معمر سے، وہ سالم سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی امت اس حال میں آئے گی کہ ان کے اعضاءِ وضو چمک رہے ہوں گے، ان کی ایڑیاں وضو کے آثار سے نمایاں ہوں گی۔ (۱)

---

(۱)۔ اس حدیث کی سند منقطع ہے، کیونکہ معمر کی ملاقات سالم بن عبداللہ سے نہیں ہوئی، لیکن یہ حدیث صحیح ہے، اس کے حوالے ملاحظہ ہوں: امام بخاری (۶۳/۱) امام احمد کی روایت میں صحیح سند کے ساتھ ان ہی الفاظ میں یہ حدیث آئی ہے، لیکن اس میں "غرداً" کی بجائے "هم الغُرُّ" ہے امام احمد (۱۳۷/۱۴۔ نمبر ۸۴۱۳۔ ۲۵۴/۱۶ نمبر ۱۰۷۷۸) امام بیہقی سنن کبریٰ (۵۷/۱) میں شعب الایمان (۱۶/۳) بروایت نعیم بن مجمر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک ہماری امت کو قیامت کے دن اس حال میں بلایا جائے گا کہ وضو کے آثار سے ان کے اعضاء جگمگا رہے ہوں گے، لہٰذا جو شخص طاقت رکھتا ہے وہ روشنی کو لمبا کرے، امام مسلم (۲۱۶/۱) ابو یعلیٰ (۲۹۵/۱۱) ابو عوانہ (۲۰۵/۱) طبرانی، مسند شامیین (۴۳۴/۱) بیہقی، سنن کبریٰ (۷۷/۱) دیلمی، فردوس (۳۹۳/۱) اسی سند کے ساتھ، لیکن مختلف الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم وضو کے مکمل کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن روشن اعضا والے ہوں گے، پس جو شخص اعضا کی روشنی کو لمبا کر سکتا ہے کرے، امام مسلم (۲۱۷/۱) ابو عوانہ (۲۴۳/۱) ابن ابی شیبہ (۶/۱) امام بیہقی، شعب الایمان (۱۸/۳) منذری، الترغیب والترہیب (۲۹/۴) بروایت ابو حازم، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آثار وضو کی بدولت تم ہماری خدمت میں اس حال میں حاضر ہوگے کہ

تمہارے وضو کے اعضا چمک رہے ہوں گے، امام مسلم (۱/۲۱۷۔۲۱۸) امام مالک (۱/۲۹) نسائی، سنن کبریٰ (۱/۹۵) مجتبیٰ (۱/۹۴) ابن ماجہ (۲/۱۴۴۰) ابن خزیمہ (۱/۶) ابن حبان (۳/۳۲۱) بیہقی، سنن کبریٰ (۴/۷۸) شعب الایمان (۳/۱۷) منذری، الترغیب والترہیب (۱/۹۱) علاء ابن عبدالرحمٰن اپنے والد اور وہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: تم پر سلام ہو اے مومنوں کے دار! (یہاں تک کہ فرمایا) بے شک یہ لوگ وضو کے آثار سے اس حال میں آئیں گے کہ ان کے وضو کے اعضاء روشن ہوں گے، اور ہم حوض پر ان کے پیش رو اور منتظم ہوں گے، امام مسلم (۱/۲۱۷) ابن ماجہ (۲/۱۴۳۸) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایلہ سے عدن تک جتنا فاصلہ ہے ہمارے حوض کا کنارہ اس سے لمبا ہے، (یہاں تک کہ فرمایا) تم آثار وضو کی برکت سے ہماری خدمت میں اس حال میں حاضر ہو گے کہ تمہارے وضو کے اعضاء روشن ہوں گے، یہ فضیلت کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوگی۔

باب۴:

وضو میں بسم اللہ شریف پڑھنے کے بیان میں

۲۰۔ امام عبدالرزاق معمر (۱) سے، وہ زہری (۲) سے وہ روبیح (۳) بن عبدالرحمٰن بن سعید خدری سے وہ اپنے باپ (۴) سے۔ وہ ان کے دادا حضرت ابوسعید خدری ﷺ (۵) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کا وضو نہیں ہے

(۱)۔ان کا تذکرہ حدیث نمبر (۱) کے تحت گزر چکا ہے۔

(۲)۔ان کا تذکرہ حدیث نمبر (۲) کے تحت گزر چکا ہے۔

(۳)۔یہ روبیح بن عبدالرحمٰن بن ابوسعید خدری مدنی ہیں، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کی ہے، ان کے بارے میں ابن حجر نے تقریب میں کہا ہے کہ وہ مقبول ہیں، ابوزرعہ نے فرمایا: شیخ ہیں، ابن عدی نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن حبان نے ان کا ذکر ''ثقات'' میں کیا ہے، احمد بن حفص سعدی فرماتے ہیں کہ امام احمد سے وضو میں بسم اللہ شریف کے پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا مجھے اس سلسلے میں کوئی قوی حدیث معلوم نہیں ہے، اس میں قوی ترین روایت، کثیر بن زید کی ہے روبیح سے اور روبیح معروف نہیں ہیں، دیکھئے تقریب (۱۸۸۱) تہذیب التہذیب (۵۸۹/۱) تہذیب الکمال (۵۹/۹) الثقات از ابن حبان (۳۰۹/۶)۔

(۴)۔وہ عبدالرحمٰن بن سعد بن مالک بن سنان انصاری ہیں، ان کی کنیت ابوحفص ہے، کہا جاتا ہے ابومحمد بن ابوسعید خدری مدنی، ثقہ ہیں، روبیح اور سعید کے والد ہیں، انہوں نے اپنے والد حضرت ابوسعید خدری اور ابوحمید ساعدی وغیرہم سے روایت کی، ۱۱۲ھ میں ستتر (۷۷) سال کی عمر میں وفات پائی، دیکھئے تقریب (۳۸۷۴) تہذیب التہذیب (۵۱۰/۲) اور تہذیب الکمال (۱۳۴/۱۷)

(۵)۔ان کا نام سعد بن سنان بن عبید انصاری خزرجی ہے، ان کی کنیت ابوسعید خدری ہے اور وہ کنیت ہی سے مشہور تھے، رسول اللہ ﷺ کی معیت میں بارہ غزوات میں شریک ہوئے، رسول اللہ ﷺ کی بہت ساری حدیثیں انہیں یاد تھیں، اور آپ سے علم کی وافر مقدار روایت کی، ۷۴ھ میں رحلت فرمائی، دیکھئے: اصابہ (۲۴۶/۴) اور استیعاب (۶۰۲/۲)

جس نے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا۔(۱)

۲۔ امام عبدالرزاق، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں اور جس نے وضو میں اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا اور اس کا وضو نہیں ہے۔(۲)

---

(۱)۔ یہ حدیث اس سند کے ساتھ حسن ہے، اس کی ایک اور سند ہے جسے حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے (۲۴۶/۱) حدیث نمبر (۵۲۰) دارالکتب العلمیہ، اس میں یہ الفاظ ہیں (لاصلوٰۃ) ابوداؤد نمبر (۱۰۱) ترمذی، علل کبیر (۱/۱۱۱) میں، طبرانی معجم اوسط میں نمبر (۸۰۷۶) ابن ماجہ (۱/۱۳۹) ابن ابی شیبہ (۱/۳) امام احمد (۱۵/۲۴۳) نمبر (۹۴۱۸) ابویعلیٰ (۲/۳۲۴_۴/۴۲۴) دارقطنی (۱/۷۹) دارمی (۱/۱۷۶) باب التسمیۃ فی الوضوء، عبد بن حمید (۱/۲۸۵) بیہقی سنن کبریٰ (۱/۴۳) کثیر بن زید روایت کرتے ہیں روبیح بن عبدالرحمٰن ابن ابی سعید خدری سے وہ اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

(۲)۔ یہ حدیث متابعات اور شواہد کی بنا پر حسن لغیرہ ہے، جیسے کہ آپ ابھی دیکھیں گے، کیونکہ اس میں ایک راوی مبہم ہے، دوسری روایات سے واضح ہو گیا کہ وہ شخص یعقوب بن سلمہ لیثی ہے، جیسے امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک (۱/۱۴۶) میں روایت کیا اور فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے، امام مسلم نے یعقوب بن ابی سلمہ الماجشون سے استدلال کیا ہے، ابوسلمہ کا نام دینار ہے، شیخین نے اسے روایت نہیں کیا، اس کے لئے شاہد بھی ہے، اس پر ذہبی نے تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ ہمیں حدیث بیان کی یعقوب بن سلمہ لیثی نے اپنے والد سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے، علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۲/۸۰) میں فرمایا کہ جب حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کی روایت کی تو انہوں نے گمان کیا کہ یہ راوی یعقوب بن الماجشون ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی روایت میں یہ الفاظ تھے ''یعقوب بن ابی سلمہ الماجشون سے روایت ہے''۔ اور یہ خطا ہے (یعقوب بن ابی سلمہ نہیں، بلکہ یعقوب بن سلمہ ہیں) اور یہ سلمہ صرف اسی حدیث میں پہچانے جاتے ہیں۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے (۱/۲۵) ابن ماجہ (۱/۴۰) ابویعلیٰ (۱۱/۲۹۳) امام احمد (۲/۴۱۸) امام طبرانی، اوسط (۸۰/۹۶) میں روایت کیا یعقوب بن ابی سلمہ لیثی کے بارے میں ابن حجر نے تقریب (۸/۷۸) میں فرمایا کہ وہ مجہول الحال ہیں اور تہذیب التہذیب (۴/۴۴۲) میں ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے

اور ان کے والد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی، ان سے محمد بن موسیٰ قطری اور ابو عقیل یحییٰ ابن متوکل نے روایت کی، امام بخاری نے فرمایا کہ نہ تو ان کا اپنے والد سے حدیث سننا معروف ہے اور نہ ہی ان کے والد کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع معروف ہے، ذہبی نے میزان (۴/۴۵۲) میں کہا کہ یہ شیخ معتمد نہیں ہے، مغنی (۲/۷۵۸) میں ہے کہ تسلی بخش نہیں ہے، امام ترمذی نے علل کبیر (۱/۱۱۱) میں کہا کہ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ محمد بن موسیٰ مخزومی میں تو کوئی حرج نہیں ہے، ان کی روایت درجۂ قبول کے قریب ہے، لیکن یعقوب بن سلمہ مدنی کا سماع اپنے والد سے اور ان کے والد کا سماع حضرت ابو ہریرہ سے معروف نہیں ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن منصور کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس سلسلے میں مجھے عمدہ سند والی کوئی حدیث معلوم نہیں ہے، اس باب میں عبدالرحمٰن بن حویطب کی روایت ہے جسے وہ اپنی دادی سے اور وہ اسے اپنے والد سے روایت کرتی ہیں، امام ترمذی نے یہ حدیث بیان کی (۱/۳۸) امام احمد (۵/۳۸۱) ابویعلیٰ مجم (۱/۲۱۲) ابن ابی شیبہ (۱/۱۲) دارقطنی (۱/۷۲) بیہقی، سنن کبریٰ (۱/۴۳) نے روایت کی، اس تمام گفتگو کا خلاصہ وہ ہے جو ابن حجر نے النتائج (۱/۲۳۷) میں ابن صلاح کے حوالے سے بیان کیا کہ ان روایات کے مجموعے وہ چیز وہ چیز ثابت ہوتی ہے جس کے ذریعے حدیث حسین ثابت ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ تلخیص الحبیر (۱/۷۵) میں ہے کہ احادیث کے مجموعے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کی اصل موجود ہے۔

--------❁--------

باب۴:

جب وضو سے فارغ ہو

۲۲۔ امام عبدالرزاق، امام مالک سے، وہ یحییٰ بن ابی زائدہ سے، وہ حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص وضو سے فارغ ہوکر یہ کلمات پڑھے (سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ)

اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری تقدیس وتنزیہ بیان کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے، میں تجھ سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں''۔ تو اِن کلمات پر مُہر لگا دی جاتی ہے، پھر انہیں عرش مجید کے نیچے پہنچا دیا جاتا ہے، اور وہ مہر قیامت تک نہیں توڑی جاتی۔(۱)

۲۳۔ عبدالرزاق، معمر (۲) سے، وہ قتادہ (۳) سے، وہ سالم بن ابی الجعد (۴) سے

(۱)۔ قلمی نسخے میں (تکتر) ہے، لیکن صحیح (تکسر) ہے، اس لیے کہ امام عبدالرزاق نے (۱/۱۸۶) میں ''باب وضوء المقطوع'' میں حدیث روایت کی ہے اس میں (تکسر) ہی ہے، جس طرح ہم نے متن میں لکھا ہے، اسی طرح امام عبدالرزاق نے ''باب اذا فرغ من الوضوء'' میں حدیث روایت کی ہے جیسے کہ دارالکتب العلمیۃ کے نسخے (۱۰/۱۴۵۔۱۴۶) میں ہے، اسی طرح مصنّف ابن ابی شیبہ (۱/۳) میں انہوں نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے لفظ بلفظ یہ حدیث روایت کی ہے۔

(۲)۔ حضرت معمر کا تذکرہ حدیث نمبر (۱) کے تحت گزر چکا ہے۔

(۳)۔ یہ قتادہ ابن دعامہ ابن قتادہ سدوسی بصری تھے، ان کی کنیت ابوالخطاب تھی، انہوں نے حضرت انس بن مالک، ابوسعید خدری، ابن مسیّب، عکرمہ اور سالم بن ابی الجعد وغیرہم سے حدیث روایت کی ۱۱۷ھ میں واسط میں فوت ہوئے، دیکھئے تقریب التہذیب (۵۵۱۸) تہذیب التہذیب (۳/۴۲۸) اور تہذیب الکمال (۲۳/۴۹۸)

(۴)۔ یہ سالم بن ابی الجعد غطفانی اشجعی تھے، انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب، ابن عمر، ابوہریرہ اور جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کی، ثقہ تھے اور بکثرت ارسال سے کام لیتے تھے، ۹۷ھ یا ۹۸ھ میں فوت ہوئے، تقریب (۱۲۷۰) تہذیب التہذیب (۱/۶۷۴) اور تہذیب الکمال (۱۰/۱۳۰)

روایت کرتے ہیں کہ جب وہ وضو سے فارغ ہوتے تو کہتے: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ربِّ اجْعَلْنِی مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ.

اے اللہ! مجھے بہت توبہ کرنے والوں اور بہت پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں سے بنادے۔(۱)

۲۴۔عبدالرزاق، ابن جُریج سے، وہ زہری (۲) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عقبہ ابن عامر (۳) کوفرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مکمل طور پر وضو کیا، پھر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا: "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ". تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔(۴)

---

(۱)۔اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے اپنی "مصنّف" (۳/۱) (۴۵۰/۱۰) میں روایت کیا، حاکم نے مستدرک (۵۴۳/۱) میں بروایت سفیان اسی طرح روایت کیا، نیز حاکم نے امام شعبہ سے انہوں نے ابو ہاشم سے انہوں نے قیس بن عباد سے، انہوں نے حضرت ابوسعید خدری سے مرفوعاً یہ حدیث روایت کی اور حاکم نے اس کے بارے میں کہا کہ یہ امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے، لیکن انہوں نے روایت نہیں کی۔

(۲)۔ابن جریج کا تذکرہ حدیث نمبر (۲) اور زہری کا تذکرہ حدیث نمبر (۱) کے تحت گزر چکا ہے۔

(۳)۔ہمارے سامنے جو جرح وتعدیل کی کتابیں ہیں ان سے زہری کا عقبہ ابن عامر سے سماع ثابت نہیں ہوتا کیونکہ زہری ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت عقبہ حضرت معاویہ کی خلافت کے آخر میں ۶۰ھ میں فوت ہوئے، لہٰذا زہری کی عمر حضرت عقبہ کی وفات کے وقت دس سال ہوگی، اس لیے احتمال ہے کہ انہوں نے اس عمر میں حضرت عقبہ سے حدیث سنی ہو، کیونکہ اس فن کے علماء کے بیان کے مطابق سماع حدیث کی کم ازکم عمر پانچ سال ہے، جیسے کہ ابن صلاح نے اپنے مقدمہ میں زہری کا حضرت عقبہ سے سماع ثابت کرتے ہوئے یہ قول نقل کیا ہے، اس اعتبار سے یہ سند صحیح ہوگی، ورنہ یہ منقطع ہے، دیکھئے مقدمہ (۱۶۴)

(۴)۔اس حدیث کو امام مسلم نے (۲۱۰/۱) ابن ابی شیبہ نے (۴/۱۔۴۵۲/۱۰) میں بروایت ابوعثمان ابن نفیر، جبیر ابوعثمان بن مالک حضرمی جزء (۱۶۲) حدیث نمبر ۱۸۰۔ابویعلی۔نیز اسے بزار نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا اور اس میں اضافہ کیا کہ جب سر پر مسح کرے تو بھی اسی طرح کہے۔

باب ۵:

کیفیت وضو میں

۲۵۔ عبدالرزاق، معمر سے، وہ ابوالجعد (۱) سے، وہ مسلم بن یسار (۲) سے، وہ حُمران (۳) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پانی منگوا کر وضو کیا، پھر ہنسے، اور ارشاد فرمایا: تم مجھ سے نہیں پوچھو گے کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں؟ حاضرین نے عرض کیا: امیر المؤمنین! آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا جس طرح میں نے وضو کیا ہے، چنانچہ آپ نے کلی کی، ناک میں پانی چڑھایا، تین دفعہ چہرۂ انور کو دھویا، سر پر مسح کیا اور دونوں پاؤں کی پشت پر مسح کیا۔ (۴)

(۱)۔ اس حدیث کو امام مسلم نے (۱/۲۱۰) ابن ابی شیبہ نے (۱/۴۔۱۰/۴۵۲) میں بروایت ابوعثمان ابن نفیر، جبیر ابوعثمان بن مالک حضرمی جزء (۱۶۲) حدیث نمبر ۱۸۰۔ ابویعلی۔ نیز اسے بزار نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا اور اس میں اضافہ کیا کہ جب سر پر مسح کرے تو بھی اسی طرح کہے۔

(۲)۔ مسلم بن یسار بقری، انہیں مکی بھی کہا جاتا ہے، ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی، انہوں نے حمران سے روایت کی، ثقہ تھے، دیکھئے تہذیب الکمال (۵۵/۲۷)

(۳)۔ حُمران بن ابان: ان سے مسلم بن یسار مکی نے روایت کی، پہلے حرف پر زبر ہے، یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور درجۂ ثانیہ سے تعلق رکھنے والے ثقہ تھے، ۷۵ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ، دیکھئے تہذیب الکمال (۵۵/۲۹) اور تقریب (۲۱۶)

(۴)۔ اس حدیث کو امام احمد نے (۱/۴۷۷) حدیث نمبر (۴۱۸) ابن ابی شیبہ نے (۱/۸) بزار نے (۲/۷۴) روایت کیا، ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد (۱/۲۲۹) میں روایت کرنے کے بعد فرمایا: اسے بزار نے روایت کیا، اور اس کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں اور وہ صحیح ہیں اختصار کے ساتھ ہے، منذری نے الترغیب والترہیب (۱/۱۵۱۔۱۵۲) میں روایت کیا اور فرمایا: اسے امام احمد نے عمدہ سند سے، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۲۶۔ عبدالرزاق، زہری سے، وہ یحییٰ (۱) سے، وہ اپنے والد (۲) سے، وہ عبداللہ ابن زید (۳) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا اور چہرۂ انور کو تین مرتبہ اور ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا، سر اقدس پر مسح کیا اور پائے اقدس دو مرتبہ دھوئے۔ (۴)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) اور ابویعلی نے روایت کیا، بزار نے اسے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا اور اس میں یہ اضافہ کیا کہ جب پاؤں کو پاک کرتے تو بھی اسی طرح کرتے۔ (۲۲۰/۴)

نوٹ: متن میں (وظهر قدميه) ہے جس کا معنی ہے کہ دونوں پاؤں کی پشت پر مسح کیا، ظاہر ہے کہ یہ کاتب کا تسامح ہے، یہ (وطهّر قدميه) ہونا چاہیے، یعنی دونوں مبارک پاؤں بھی دھوئے، جیسے کہ امام بزار کی روایت میں ہے (فاذا طهر قدميه) کیونکہ وضو میں سوائے شیعہ کے پاؤں پر مسح کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ ۱۲ اشرف قادری

(۱)۔ یحییٰ ابن عمارہ بن ابی حسن انصاری مازنی مدنی، عمرو بن یحییٰ ابن عمارہ کے والد اور تیسرے درجے کے ثقہ تھے، ان سے زہری، خود ان کے بیٹے عمرو ابن یحییٰ وغیرہما نے روایت کی، دیکھئے تقریب (۷۶۱۲) تہذیب التہذیب (۲۷۹/۴۰) اور تہذیب الکمال (۴۷۴/۳۱)

(۲)۔ عمارہ ابن ابی حسن انصاری مازنی، یحییٰ ابن عمارہ کے والد اور عمرو بن یحییٰ کے دادا تھے، ثقہ تھے اور انہیں ''رؤیۃ'' کہا جاتا تھا، جن حضرات نے انہیں صحابی قرار دیا ہے انہیں وہم ہوا ہے، کیونکہ صحابی ان کے والد تھے، دیکھئے تقریب (۴۸۴۲) تہذیب الکمال (۲۳۷/۲۱) اور استیعاب (۱۱۴۱/۳)

(۳)۔ یہ عبداللہ ابن زید بن عاصم بن کعب مازنی انصاری ہیں، ان کی کنیت ابو محمد تھی اور ''ابن ام عمارہ'' کے عنوان سے معروف تھے، بہت مشہور صحابی تھے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے وضو کی حدیث اور متعدد احادیث روایت کی ہیں، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہی مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا، حرہ کے دن ۶۳ھ میں شہید ہوئے، دیکھئے اصابہ (۹۱/۶) استیعاب (۹۱۳/۳) معرفۃ الصحابہ، از ابونعیم (۱۶۵۵/۳)۔

(۴)۔ اس حدیث کو امام بخاری نے (۸۴/۱) نے ''باب الوضوء من التور'' میں ابوداؤد نے (۱۹۵/۱) ابن ماجہ (۱۴۹/۱) نسائی نے مجتبیٰ (۷۲/۱) سنن کبریٰ (۸۱/۱) (۱۰۲/۱) ترمذی ۶۶/۱) امام احمد (۶۱۳/۳۶) حدیث نمبر (۲۲۲۸۴) ابن حبان نے اپنی صحیح (۳۷۳/۳) ابن خزیمہ (۸۰/۱۔۸۸) ابوعوانہ (۲۰۹/۱) دارمی (۱۷۷/۱) ابن ابی شیبہ، مصنف (۸/۱) حمیدی، مسند (۲۰۲/۱) امام شافعی، مسند (۳۱/۱) میں بروایت عمرو بن یحییٰ روایت کی، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ ابن زید سے روایت کی۔

باب ۶:

وضو میں داڑھی کے دھونے کے بارے میں

۲۷۔ عبدالرزاق، ابن جریج سے وہ طاؤس (۱) سے اور وہ ابن ابی لیلیٰ (۲) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا اگر داڑھی کی جڑوں تک پانی پہنچانا تمہارے بس میں ہو تو پہنچاؤ۔ (۳)

۲۸۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ مجھے زہری نے خبر دی سفیان سے انہوں نے ابن شبرمہ سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے کہ انہوں نے فرمایا کہ مرد کا کیا حال ہے کہ داڑھی کے پیدا ہونے سے پہلے اسے (اس کی جگہ کو) دھوتا ہے، اور جب پیدا ہو جائے تو

---

(۱)۔ طاؤس بن کیسان یمانی حمیری کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی، بنو حمیر کے آزاد کردہ غلام تھے، ثقہ، فقیہ اور فاضل تھے، دیکھئے تقریب (۳۳۶)

(۲)۔ یہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں، ان کا نام یسار ہے، بعض نے بلال اور بعض نے داؤد بن بلال ابن اُحیحہ انصاری اوسی بتایا، ان کی کنیت ابو عیسیٰ اور یہ کوفے کے رہنے والے تھے، واقعہ جماجم میں ۸۳ھ میں فوت ہوئے، بعض نے کہا کہ غرق ہو گئے تھے، دیکھئے تقریب (۳۹۹۳) تہذیب التہذیب (۲/۵۴۸) اور تہذیب الکمال (۱۷/۳۷۲)

(۳)۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱/۱۴) مسلم بن ابی فروہ کے حوالے سے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا۔

(۴)۔ مخطوطے میں لفظ (لم) نہیں ہے، جبکہ صحیح عبارت (لم یغسلھا) ہے۔

(۵) اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱/۱۵) میں روایت کیا، ابن عبدالبر نے تمہید (۲۰/۱۲۰) اور قرطبی نے اپنی تفسیر (۶/۸۳) میں اس کا ذکر کیا۔

باب ۷:

وضو میں داڑھی میں خلال کرنے کے بارے میں

۲۹۔ عبدالرزاق معمر سے، وہ زہری (۱) سے اور وہ حضرت سعید بن جبیر (۲) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے وضو کیا اور داڑھی میں خلال کیا۔ (۳)

۳۰۔ عبدالرزاق، معمر سے، وہ زہری سے، وہ ابن عُیَینہ سے، وہ یزید رقاشی (۴) سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب وضو کرتے تو داڑھی مبارک میں خلال کرتے تھے۔ (۵)

۳۱۔ عبدالرزاق نے معمر سے، انہوں نے زہری سے روایت کیا کہ مجھے ابو غالب

---

(۱)۔ معمر اور زہری کا تذکرہ دیکھئے حدیث نمبر ا کے تحت۔

(۲)۔ یہ سعید بن ہشام ابدی کوفی ہیں، ان کا تذکرہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

(۳)۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے، اسے ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱/۱۳) میں بروایت ابواسحاق روایت کیا، انہوں نے اسے سعد بن جبیر سے روایت کیا۔

(۴)۔ یزید بن ابان رقاشی: ابوعمرو بصری قاص (واعظ) اور زاہد تھے، پانچویں درجے کے ضعیف راوی تھے، ۱۲۰ھ سے پہلے فوت ہوئے، دیکھئے تقریب (۷۶۸۳) تہذیب التہذیب (۴/۳۰۳) اور تہذیب الکمال (۳۲/۶۴)

(۵)۔ اس حدیث کو ابوداؤد (۱/۲۱۵) امام بیہقی، سنن کبری (۱/۵۴) بروایت ولید بن زوران روایت کیا، انہوں نے یہ حدیث حضرت انس سے روایت کی، ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱/۱۳) بروایت موسیٰ ابن ابی عائشہ، انہوں نے یزید رقاشی سے، انہوں نے حضرت انس سے روایت کی، اس باب میں حضرت عمار بن یاسر سے بھی حدیث مروی ہے، جسے امام ترمذی نے (۱/۴۴) اور ابن ماجہ نے (۱/۱۴۸) روایت کیا، حضرت عثمان غنی کی روایت امام ترمذی نے (۱/۴۶) بیان کی اور فرمایا یہ حدیث حسن اور صحیح ہے، ابن ماجہ (۱/۱۴۸) حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے، امام احمد (۴۳/۱۱۹) اور حاکم نے مستدرک (۱/۴۵۰) میں روایت کی۔

(۱) نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوامامہ کو عرض کیا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارے میں بتائیں، انہوں نے وضو کیا اور اعضاء تین مرتبہ دھوئے اور داڑھی میں خلال کیا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا۔ (۲)

۳۲۔ عبدالرزاق، ابن جریج سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب وضو کرتے تھے تو داڑھی میں خلال کیا کرتے تھے۔ (۳)

---

(۱)۔ یہ ابو غالب بصری تھے، انہیں اَصبانی اور "صاحب ابی امامہ" بھی کہا جاتا ہے، ان کے نام میں اختلاف ہے، بعض نے "حَزَوَّر" بعض نے "سعید بن حَزَوَّر" اور بعض نے نافع بتایا ہے، وہ سچے راوی تھے، لیکن خطا کر جاتے تھے، درجۂ خلاصہ سے تعلق رکھتے تھے، ابن حجر نے تہذیب میں ابن حبان سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ ان کی روایت سے اسی وقت استدلال کیا جاسکتا ہے جب ان کی روایت ثقہ حضرات کے موافق ہو۔ دیکھئے تقریب (۸۲۹۸) تہذیب التہذیب (۵۷۰/۴) اور تہذیب الکمال (۱۷۰/۳۴)

(۲)۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۳/۱) میں عمر بن سلیم باھلی کی روایت سے بیان کی، انہوں نے اسی طرح ابو غالب سے روایت کی۔

(۳)۔ اس حدیث کو طبرانی نے اوسط (۹۴/۲) میں، ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱۳/۱) میں حضرت ابوامامہ سے، انہوں نے حضرت نافع سے روایت کیا، طبرانی نے اپنی تفسیر (۱۱۹/۶) میں نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا، ہیثمی نے یہ حدیث مجمع الزوائد (۲۳۵/۱) میں بیان کی اور فرمایا کہ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا، اس کی سند میں ایک راوی احمد بن محمد ابو بزہ ہے، میں نے نہیں دیکھا کہ کسی عالم نے ان کا تذکرہ لکھا ہو، (میں کہتا ہوں) بلکہ ذہبی نے میزان (۱۴۴/۱) نمبر (۵۶۴) میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور یہ ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بزی، مکی، مغربی ہیں، قراءات میں امام اور ثقہ ہیں، عقیلی نے کہا کہ منکر الحدیث ہیں، ابو حاتم نے کہا کہ ان کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے، میں ان سے روایت نہیں کرتا۔

باب ۸:

وضو میں سر کے مسح کے بارے میں

۴۳۔ عبدالرزاق، معمر سے، وہ زہری سے، وہ حُمران سے وہ حضرت عثمان سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ مسح کیا۔ (۱)

۴۴۔ عبدالرزاق، امام مالک سے، وہ یحییٰ ابن ابی زائدہ سے، وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ وضو کرتے تو اعضاء کو تین تین مرتبہ دھوتے تھے۔ لیکن مسح ایک دفعہ کرتے تھے۔ (۲)

۴۵۔ اسی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ سر کے اگلے حصے پر ایک دفعہ مسح کرتے تھے۔ (۳)

---

(۱)۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱/۱۵) میں روایت کیا۔

(۲)۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے (۱/۶۳) امام احمد (۲/۳۰۰) ابو یعلیٰ (۱/۲۴۴) ابن ابی شیبہ (۱/۸) میں ابو اسحاق سے انہوں نے ابو حیہ سے روایت کیا کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو دیکھا۔ (الحدیث)

(۳)۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے (۱/۱۵) ایوب سے، انہوں نے نافع سے، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، نیز امام عبدالرزاق نے مصنف (۱/۴) ''باب المسح'' میں عبدربہ کی سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

باب۹:

کیفیت مسح کے بیان میں

۳۶۔عبدالرزاق، معمر سے، وہ لیث (۱) سے، وہ طلحہ (۲) سے، وہ اپنے والد (۳)

---

(۱)۔ یہ لیث بن ابی سُلیم بن زنیم قرشی ہیں، یہ عتبہ بن ابی سفیان کے آزاد کردہ غلام تھے، بعض علماء کہتے ہیں کہ عنبسہ ابن ابوسفیان اور بعض نے کہا کہ معاویہ ابن ابوسفیان کے آزاد کردہ غلام تھے، ابن حجر نے تقریب میں فرمایا کہ وہ سچے تھے، لیکن ان کے حافظے میں بہت خلط ملط ہوگیا تھا، اس لیے انہیں چھوڑ دیا گیا، ان کا تعلق چھٹے درجے کے ساتھ ہے، امام ترمذی نے اپنی سنن میں فرمایا کہ امام بخاری نے فرمایا کہ لیث بن ابی سُلیم سچے تھے، بعض اوقات انہیں کسی چیز کے بارے میں وہم ہو جاتا تھا، امام بخاری نے یہ بھی فرمایا کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ لیث کی روایت پر دل خوش نہیں ہوتا، لیث کئی ایسی چیزیں اٹھا لیتے تھے جنہیں دوسرے نہیں اٹھاتے تھے، اسی لیے محدثین نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ (اھ) امام مزی تہذیب الکمال میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان کی روایت سے استدلال کیا ہے اور ان کی حدیث کو ''کتاب رفع الیدین فی الصلوٰۃ وغیرہ'' میں روایت کیا ہے، امام مسلم نے ان کی روایت کو ابو اسحاق شیبانی کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، باقی حضرات نے بھی ان کی روایت کو لیا ہے، ۱۴۳ھ میں فوت ہوئے، ان کا تذکرہ دیکھئے: تقریب از امام ابن حجر نمبر (۵۶۸۵) تہذیب التہذیب (۳/۴۸۴) میزان، امام ذہبی (۳/۴۲۰) اور تہذیب الکمال از مزی (۲۴/۲۸۱)

(۲)۔ یہ طلحہ ابن مصرف ابن عمرو بن کعب یامی ہمدانی کوفی ہیں، ان کی کنیت ابو محمد اور بقول بعض ابو عبداللہ تھی، ثقہ قاری اور صاحب فضیلت پانچویں درجے کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، ۱۱۲ھ میں فوت ہوئے، ان کا تذکرہ دیکھئے: تقریب (۳۰۴۴) تہذیب التہذیب (۲/۲۴۳) اور تہذیب الکمال (۱۳/۴۳۳)

(۳)۔ یہ مصرف ابن عمرو بن کعب ہیں، بعض نے کہا کہ یہ مصرف بن کعب بن عمرو یامی کوفی ہیں، ان سے طلحہ ابن مصرف نے روایت کی، مجہول ہیں اور ان کا تعلق درجۂ رابعہ سے ہے، دیکھئے: تقریب (۶۶۸۵) تہذیب التہذیب (۴/۸۳) اور تہذیب الکمال (۲۸/۱۷)

سے، وہ ان کے دادا (۱) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے وضو کیا تو سر اقدس پر اس طرح مسح کیا، اور حفص نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر پھیرے یہاں تک کہ اپنی گدی پر مسح کیا۔ (۲)

۳۷۔ عبدالرزاق، ابن جریج سے، وہ رُبَیِّع رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس بکثرت تشریف لاتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نے آپ کے لئے وضو کے پانی کا برتن رکھا، آپ ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ نے وضو کیا اور سر اقدس پر مسح کیا، پچھلے حصے سے ابتدا کی، پھر اپنے دونوں ہاتھ اپنی مقدس پیشانی پر لائے۔ (۳)

---

(۱)۔ کعب بن عمرو بن جحر یامی اور بقول بعض عمرو بن کعب بن جحر، طلحہ ابن مصرف کے دادا اور صحابی ہیں، لیث بن ابی سلیم نے طلحہ ابن مصرف سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے ان کے دادا سے وضو کے سلسلے میں روایت کی، یہ بات عبدالوارث نے ان کے بارے میں کہی، ابن حجر نے تہذیب میں حدیث مذکور کے بارے میں فرمایا کہ طلحہ کے دادا نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، اگر یہ طلحہ ابن مصرف کے دادا ہیں تو ایک جماعت نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ وہ کعب بن عمرو ہیں اور ابن قطان نے وثوق سے کہا کہ وہ عمرو بن کعب ہیں، اور اگر مذکور طلحہ، ابن مصرف نہیں ہیں تو وہ خود اور ان کے والد دونوں مجہول ہیں، اور ان کے دادا کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہے، کیونکہ ان کی صحابیت کا صرف اس حدیث سے پتا چلتا ہے، طلحہ کے تذکرے میں ان کے بارے میں کچھ گفتگو گزر چکی ہے۔ دیکھئے تقریب (۵۶۴۵) تہذیب التہذیب (۳/۴۷۰) اور تہذیب الکمال (۲۴/۱۸۴)

(۲)۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱/۱۶) میں اپنی سند کے ساتھ بروایت طلحہ عن ابیہ عن جدہ روایت کیا ہے۔

(۳)۔ اس حدیث کو امام احمد نے (۴۴/۵۶۸) امام طبرانی معجم کبیر (۲۴/۲۶۹) اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا۔

باب ۱۰:

کانوں کے مسح کے بارے میں

۳۸۔عبدالرزاق، معمر سے، وہ زہریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ﷛ کو دیکھا، انہوں نے وضو کیا تو دونوں کانوں کے اندر اور باہر مسح کرنے لگے، میں نے ان کی طرف (سوالیہ نگاہوں سے) دیکھا تو انہوں نے فرمایا: ابن مسعود اس کا حکم دیا کرتے تھے۔(۱)

۳۹۔عبدالرزاق، ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عطاء نے خبر دی نافع سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ وہ جب وضو کرتے تو وہ انگوٹھوں کے ساتھ والی دو انگلیاں کانوں میں داخل کرتے تھے اور ان کے اندر مسح کرتے تھے اور انگوٹھوں سے ان کے باہر مسح کرتے تھے۔(۲)

۴۰۔عبدالرزاق، زہری سے، وہ جندب سے اور وہ اسود بن یزید (۳) سے روایت کرتے تھے کہ ابن عمر نے وضو کیا تو انہوں نے اپنی دو انگلیاں کانوں کے اندر اور باہر داخل کیں اور ان پر مسح کیا۔

---

(۱)۔اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف (۱/۱۸) میں روایت کیا۔

(۲)۔اسے ابن ابی شیبہ نے مصنف (۱/۱۸) میں روایت کیا، نیز اسے ابن منذر نے اوسط (۱/۴۰۴) میں روایت کیا اور یہ اضافہ کیا کہ ابو بکر نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کانوں پر مسح کرے اسے اسی طرح کرنا چاہیے۔

(۳)۔اس سند میں عبدالرزاق اور زہری کے درمیان انقطاع ہے (کیونکہ ان کے درمیان ملاقات نہیں ہے) اور اسود بن یزید بن قیس نخعی کی کنیت ابوعمرو یا ابوعبدالرحمٰن ہے، یہ مخضرم ہیں (یعنی انہوں نے عباسی اور فاطمی دونوں دور پائے۔۱۲ قادری) ثقہ، کثرت سے روایت کرنے والے اور فقیہ ہیں، درجہ ثانیہ سے تعلق رکھتے ہیں ۷۴ھ یا ۷۵ھ میں وفات پائی، دیکھئے تہذیب الکمال (۳/۲۳۳) تقریب (۱۴۰) اس اثر کو امام مالک نے موطا (نمبر ۳۷) میں حضرت نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر دو انگلیوں کے ساتھ دونوں کانوں کیلئے پانی لیتے تھے، بیہقی نے سنن کبریٰ (۱/۶۵) میں امام مالک کی سند سے یہ حدیث روایت کی، دیکھئے نصب الرایہ (۱/۲۲)

ضمیمہ

راقم نے اپنی کتاب "من عقائد اهل السنة" میں حدیث نور پر مختصر گفتگو کی تھی، اس جگہ مناسبت کی بنا پر اسے نقل کیا جا رہا ہے۔

یاد رہے کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ **عقائد ونظریات** کے نام سے چھپ چکا ہے۔

شرف قادری

نورانیت و بشریت کا پیکر حسین صلی اللہ علیہ وسلم

عام طور پر یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ نورانیت اور بشریت میں منافات ہے، دونوں کا ایک جگہ اجتماع نہیں ہو سکتا، حالانکہ اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا" (۱۹/۱۷)

تو اس (مریم) کی طرف ہم نے اپنا روحانی (جبریل امین) بھیجا، وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔

ظاہر ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نوری مخلوق ہیں، جب حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بشری صورت میں جلوہ گر ہوئے، تو اس وقت بھی وہ حقیقت کے لحاظ سے نوری ہی تھے، لیکن ان کا ظہور بشری لباس میں ہوا، اگر نور و بشر میں تضاد ہوتا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کبھی بشری صورت میں تشریف نہ لاتے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت کے اعتبار سے نور اور صورت کے اعتبار سے بے مثل بشر ہیں۔ علامہ سید محمود الوسی فرماتے ہیں:

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں: ایک جہتِ مَلَکیت جس کی بناء پر آپ فیض حاصل کرتے ہیں اور دوسری جہتِ بشریت جس کی بناء پر فیض دیتے ہیں، اس لیے قرآن کریم آپ کی رُوح پر نازل کیا گیا، کیونکہ آپ کی روح ملکی صفات کے ساتھ متصف ہے جن کی بناء پر آپ رُوح الامین سے استفادہ کرتے ہیں۔[1]

---

[1] محمود الوسی، سید علامہ: روح المعانی (طبع، بیروت) ۱۲۱/۱۹

غزنوی خاندان کے مشہور غیر مقلد عالم پروفیسر ابوبکر غزنوی نے بڑی فیصلہ کن بات کی ہے، مولانا محمد انور جیلانی کے رسالۂ بشریت ورسالت پر تقریظ میں لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر تھے اور نور نہ تھے، اور بعض نے کہا کہ وہ نور تھے۔ بشر نہ تھے، یہ دونوں باتیں افراط وتفریط کی ہیں، قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ بشر بھی تھے اور نور بھی تھے، (اس کے بعد نورانیت اور بشریت سے متعلق دونوں آیتیں نقل کی ہیں) اور صحیح مسلک یہی ہے کہ وہ بشر ہوتے ہوئے از فرق تا بقدم نور کا سراپا تھے[1]

(تحریر ۱۴ دسمبر ۱۹۷۱ء)

لیجئے اب تو اختلاف ختم ہوجانا چاہیئے، اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل بشر بھی ہیں اور نور بھی۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا مطلقاً انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے ——— امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے، وہ کافر ہے: قَالَ تَعَالٰی:

''قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا''[2]

احسان الٰہی ظہیر کا کہنا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کے زمانوں کے کفار نبوت اور بشریت میں منافاۃ کا عقیدہ رکھتے تھے اور انبیاء کرام کی نبوت کا اس لئے انکار کرتے تھے کہ وہ بشر ہیں اور بشر رسول نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد بریلویوں پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ لوگ چونکہ اسلامی معاشرے اور مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے ہیں اس لئے انبیاء کی نبوت کا تو انکار نہیں کر سکے۔ لیکن ان کا عقیدہ بعینہٖ وہی ہے کہ نبوت

---

[1] ابوبکر غزنوی، پروفیسر: تقریظ رسالہ بشریت ورسالت (۱۹۸۷ء) ص ۱۷

[2] احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: فتاویٰ رضویہ (مبارکپور، انڈیا) ۶/۶۷

اور بشریت میں منافات ہے، اس لیے انہوں نے انبیاء اور رُسل کی بشریت کا انکار کر دیا ہے۔[1]

بلاشبہہ یہ مجرمانہ خیانت ہے، قارئین کرام ابھی امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تصریح ملاحظہ کر چکے ہیں کہ "جو مطلقاً حضور کی بشریت کا انکار کرے، وہ کافر ہے" اس کے باوجود اس غلط بیانی کا کیا جواز ہے؟

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ضرور ہیں، لیکن افضل البشر اور سید الخلق ہیں، امام الانبیاء اور مقتدائے رسل ہیں اور مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا نور ہیں ---- ظہیر صاحب نے محض یہ ثابت کرنے کے لیے متعدد آیتیں نقل کی ہیں کہ کافروں نے انبیاء کرام کی نبوت کا انکار محض اس لیے کیا کہ وہ بشر ہیں، حالانکہ اگر مطلب ثابت ہو جائے، تو اس کے لیے ایک ہی آیت کافی ہے، اور مطلب ثابت نہ ہو تو پانچ سو آیتیں پیش کرنا بھی بے فائدہ ہے ---- یہی صورت ظہیر صاحب کو پیش آئی ہے ---- ملاحظہ فرمائیں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد و ثمود کا یہ قول بیان فرمایا ہے:

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا[2]

تم نہیں مگر ہم جیسے بشر

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کافروں نے رسولانِ کرام علیہم السلام کی رسالت کا انکار صرف اس بناء پر نہیں کیا تھا کہ وہ بشر ہیں جیسے کہ ظہیر صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں، بلکہ اس لئے انکار کیا کرتے تھے کہ وہ ہم جیسے بشر ہیں، کفار اگر سمجھ لیتے کہ ظاہری طور پر ہم جیسے بشر دکھائی دینے والے حضرات درحقیقت ہم سے کہیں بلند و بالا ہیں، تو وہ راہِ کفر اختیار نہ کرتے، بلکہ ایمان لے آتے، یہی وہ نکتہ ہے، جسے اہلِ سنت و جماعت کے مخالفین نہیں سمجھ پاتے۔

---

[1] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ (عربی) ص ۱۰۲-۱۰۱

[2] القرآن: ۱۰/۱۴

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

جیسے کہ کفار نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو دوسرے انسانوں کے رنگ میں جان کر، نبوت کے کمالات کا انکار کیا ہے۔[1]

غیر مقلدین اور علماء دیوبند کے مسلم پیشوا شاہ اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء، انبیاء، امام و امام زادہ، پیر، شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو اُن کی فرماں برداری کا حکم کیا ہے، ہم ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔[2]

کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہم جیسے بشر ہیں؟ اور کیا یہ اس بات کے قریب نہیں ہے، جو کفار اپنے زمانے کے رسولوں کو کہتے رہے ہیں؟

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو! اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو، ان میں بھی اختصار کرو۔[3]

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دہلوی صاحب کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کسی محبوب کی اتنی تعریف بھی کی جائے، جو بشر ہی کے شایانِ شان ہو، بلکہ اس میں بھی اختصار کا مشورہ دیتے ہیں۔

محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کے بارے میں اسی خطرناک ذہنیت کے مسموم اثرات زائل کرنے کے لیے علماء اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مقربانِ بارگاہ کی شان میں وہ گلہائے عقیدت پیش کیے کہ ایمان والوں کے ایمان تازہ ہو گئے۔

---

[1] احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات فارسی (دفتر اول حصہ دوم) ص ۱۱۴

[2] اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (مطبع فاروقی، دہلی) ص ۶۰

[3] ایضاً: " " ص ۶۳

قرآن پاک میں حضور نبی اکرم ﷺ کے بشر اور نور ہونے کی تصریح ہے، کسی مسلمان کے لئے نہ تو آپ کی بشریت کے انکار کی گنجائش ہے، اور نہ ہی نور ہونے کی نفی کی مجال ہے، حیرت ان لوگوں پر ہے جو توحید و رسالت کی گواہی دینے کے باوجود سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے نور ہونے کا انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ اقدس ہے:

''قَدْجَآءَكُمْ مِنَ اللهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ''(۱۵/۵)

تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آیا اور کتاب مبین۔

اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ملتے ہیں:

اول: نور سے مراد نبی اکرم ﷺ اور آپ کا نور ہے، اور کتاب سے مراد قرآن پاک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ''نور'' کی تفسیر ''رسول'' سے کرنے کے بعد فرمایا: یعنی ''محمدا ''۔[۱] (صلی الله تعالیٰ علیه وآله وصحبه وبارك وسلم)

امام رازی علیہ الرحمہ نے نور کی تفسیر میں متعدد اقوال بیان کیے، پہلا قول یہ ہے کہ نور سے مراد محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔[۲]

امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَعْنِيْ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدًا (ﷺ) نور سے مراد محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔[۳]

تفسیر جلالین میں ہے:

اس نور سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کا نور ہے۔[۴]

---

[۱] محمد بن یعقوب فیروز آبادی: تنویر المقباس (مصطفےٰ البابی، مصر) ص ۷۲

[۲] محمد بن عمر بن حسین رازی، امام: تفسیر کبیر (المطبعۃ البہیۃ، مصر) ۱۱/۱۸۹

[۳] محمد بن جریر طبری، امام ابو جعفر: جامع البیان فی تفسیر القرآن (مطبعہ میمنیہ، مصر) ۶/۹۲

[۴] عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی، امام: تفسیر جلالین، اصح المطابع، دہلی ص ۹۷

جلالین کے حاشیہ تفسیر صاوی میں ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ کا نام اس لئے نور رکھا گیا کہ آپ بصیرتوں کو منور فرماتے ہیں اور انہیں راہِ راست کی ہدایت دیتے ہیں- دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ہر حسی اور معنوی نور کی اصل ہیں-[1]

تفسیر خازن میں ہے:

نور سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں- اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اس لئے نور رکھا کہ آپ کے ذریعے ہدایت پائی جاتی ہے، جیسے روشنی کے ذریعے اندھیروں میں ہدایت پائی جاتی ہے-[2]

تفسیر مدارک میں ہے:

دوسرا احتمال یہ ہے کہ نور، محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں، کیونکہ آپ کے ذریعے ہدایت حاصل کی جاتی ہے، جس طرح آپ کا نام سراج رکھا گیا-[3]

دوم: نور اور کتاب دونوں سے قرآن پاک مراد ہے- یہ جُبّائی اور زمخشری قول ہے، یہ دونوں معتزلی ہیں، ان پر یہ سوال وارد ہوا کہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے- جب دونوں سے مراد قرآن پاک ہے تو مغائرت کہاں رہی؟ اس کا انہوں نے جواب دیا کہ عطف کے لیے ذاتی طور پر متغائر ہونا ضروری نہیں ہے، تغایر اعتباری ہی کافی ہے اور وہ یہاں موج ہے-

سوم: نور اور کتاب دونوں سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ ہیں، اس پر اگر یہ سوا اٹھایا جائے کہ عطف تغایر کو چاہتا ہے، تو اس کا جواب وہی ہوگا جو جُبّائی وغیرہ نے دیا تغایر اعتباری کافی ہے-

---

[1] احمد بن محمد صاوی، مالکی علامہ: حاشیہ تفسیر جلالین (مصطفےٰ البابی، مصر) ۱/۲۵۸

[2] علاء الدین علی بن ابراہیم بغدادی: تفسیر خازن (مکتبہ تجاریہ، مصر) ۲/۲۳

[3] عبداللہ بن احمد نسفی، علامہ: تفسیر نسفی (دار الکتاب العربی، بیروت) ۱/۲۷۶

علامہ الوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میرے نزدیک یہ امر بعید نہیں ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے نبی اکرم ﷺ مراد ہوں، عطف کی وہی توجیہ کی جائے جو جُبّائی نے کی ہے- اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ پر نور اور کتاب مبین دونوں کا اطلاق صحیح ہے، ہوسکتا ہے کہ عبارۃ النص کے اعتبار سے تمہیں اس کے قبول کرنے میں توقف ہو تو اسے اشارۃ النص کے قبیلے سے قرار دے دو[1]

حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں:

اس امر سے کونسی چیز مانع ہے؟ کہ نور اور کتاب مبین دونوں نبی اکرم ﷺ کی صفتیں ہوں، کیونکہ آپ نور عظیم ہیں اور انوار کے درمیان کامل ظہور رکھتے ہیں اور آپ اس لحاظ سے کتابِ مبین ہیں کہ آپ تمام اسرار کے جامع، احکام، احوال اور بھلائیوں کے ظاہر کرنے والے ہیں-[2]

تقریباً تمام اہل سنت و جماعت مفسرین کرام نے یہ احتمال ضرور بیان کیا ہے کہ نور سے مراد نور مصطفےٰ ﷺ ہے اور بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد بھی آپ ہی کی ذات اقدس ہے- اب کون ہے، جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے نور ہونے کا بھی انکار کرے-؟

۲۸/ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ کو مولوی نور الدین احمد نے گوالیار سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں استفتاء ارسال کیا اور دریافت کیا:

''یہ مضمون کہ حضور سید عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے، اور ان کے نور سے باقی مخلوقات کس حدیث سے ثابت ہے؟ اور وہ حدیث کس قسم کی ہے-؟

---

[1] محمود الوسی، سید علامہ: روح المعانی (طبع، بیروت) ۶/۹۸

[2] علی بن سلطان القاری: شرح شفاء (طبع، مدینہ منورہ) ۱/۱۱۴

اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فرمایا: امام اجل سیدنا اما
مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور امام اجل سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
استاذ اور امام بخاری وامام مسلم کے استاذ الاستاذ، حافظ الحدیث، احد الاعلام عبدالرزا
ابوبکر بن ہمام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے اپنی مصنّف میں حضرت سیدنا وابن سیدنا جابر بن
عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں:

میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے
بتادیجئے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی؟ فرمایا:

يَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْخَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ

اے جابر! بے شک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی
(صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔[1]

اس کے بعد پوری حدیث نقل کی۔

یہ حدیث کس قسم کی ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ حدیث امام بیہقی نے بھی ''دلائل النبوۃ'' میں بنحوہٖ روایت کی --- اجلہ
ائمۂ دین مثل امام قسطلانی ''مواہب لدنیہ'' اور امام ابن حجر مکی افضل القریٰ اور
علامہ فاسی ''مطالع المسرات'' اور علامہ زرقانی ''شرح مواہب'' اور علامہ
دیاربکری ''خمیس'' اور شیخ محقق دہلوی ''مدارج النبوۃ'' وغیرہا میں اس حدیث
سے استناد اور اس پر تعویل واعتماد فرماتے ہیں۔

بالجملہ وہ تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل پائے ہوئے ہے تو بلاشبہ
حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے، تلقی علماء بالقبول وہ شے عظیم ہے جس کے
بعد ملاحظۂ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہوتو حرج نہیں کرتی ''کما

[1] احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: مجموعہ رسائل (نور وسایہ) (رضا فاؤنڈیشن، لاہور) ص ۸-۷

بَيَّنَاهُ فِی مُنِيْرِ الْعَيْنِ فِی حُكْمِ تَقْبِيْلِ الْاِبْهَامَيْنِ ''لاجرم علامہ محقق عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی ''حدیقہ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ'' میں فرماتے ہیں:

''وَقَدْ خُلِقَ كُلُّ شَیْءٍ مِنْ نُوْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا وَرَدَ بِهِ الْحَدِيْثُ الصَّحِيْحُ -''

بے شک ہر چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنی جیسا کہ صحیح حدیث اس معنی میں وارد ہوئی ۔[1]

یہ جواب بڑا متین، مدلل اور معقول تھا، لیکن تعصب اور عناد اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، اس پر چند اعتراض کئے گئے ہیں، ان کا جواب ملاحظہ ہو۔

پہلا اعتراض

احسان الٰہی ظہیر نے اس پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھا ہے:

اگر امت سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان کی طرح جہالت اور گمراہی اور کج روی کے پیروکار ہیں، تو ہمیں نقصان دہ نہیں اور اگر امت سے مراد علماء اور حدیث کے ماہرین ہیں، تو اس امر کا وجود نہیں ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو قبول کیا ہے۔[2]

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اس حدیث کے روایت اور نقل کرنے والوں کا نام بنام ذکر کیا ہے، اس کے باوجود ان سب کو جاہل اور گمراہ قرار دینا ائمۂ دین کی شان میں وہ کھلی گستاخی ہے، جو ناقابلِ معافی ہے اور ان لوگوں کا پرانا شیوہ ہے۔

ذیل میں ہم حدیثِ نور کے چند حوالے تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

آپ دیکھیں کہ احسان الٰہی ظہیر نے کتنے جلیل القدر ائمہ کو جاہل اور گمراہ قرار دیا ہے؟

---

[1] احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: مجموعہ رسائل (نور و سایہ) (رضا فاؤنڈیشن، لاہور) ص ۹-۸

[2] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ (عربی) ص ۱۰۳

1- امام بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ امام عبدالرزاق نے مصنّف میں اس حدیث کو روایت کیا، اس سلسلے میں چند گزارشات آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

2- امام بیہقی نے یہ حدیث روایت کی، امام زرقانی فرماتے ہیں:

امام بیہقی نے یہ حدیث کسی قدر مختلف الفاظ سے روایت کی ہے۔

(شرح زرقانی علی المواہب ج۱،ص ۵۶، تاریخ الخمیس، ج۱،ص ۲۰)

3- تفسیر نیشاپوری میں آیتِ مبارکہ "وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" کی تفسیر میں ہے:

"کَمَا قَالَ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ"۔

جیسے کہ حضورِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا۔

(نظام الدین حسن نیشاپوری (م ۷۲۸ھ غرائب القرآن (مصطفٰی البابی، مصر ج ۸،ص ۶۶)

4- عارف باللہ شیخ عبدالکریم جیلی (م ۸۰۵ھ) اپنی کتاب ---- الناموس الاعظم والقاموس الاقدم فی معرفۃ قدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کی روح پیدا فرمایا۔

(یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: جواہر البحار، عربی (مصطفٰی البابی، مصر، ج ۴،ص ۲۲۰)

5- مواہب لدنیہ میں ہے کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی سند سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْخَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُّوْرِہٖ۔

اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

(احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی (م ۹۲۳ھ) مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی، ج۱، ص ۵۵)

۷- سیرتِ حلبیہ میں یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

وَفِيْهِ اَنَّهٗ اَصْلٌ لِكُلِّ مَوْجُوْدٍ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ —

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ ہر موجود کی اصل ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم!

امام علی بن برہان الدین حلبی شافعی (م ۱۰۴۴ھ/۱۶۳۵ء)

"سیرتِ حلبیہ" مکتبہ اسلامیہ، بیروت، ج۱، ص ۳۱)

۷- "کشف الخفاء" میں یہ حدیث ان ہی الفاظ میں نقل کی گئی ہے-

(علامہ اسمٰعیل بن محمد عجلونی (م ۱۱۶۲ھ" کشف الخفاء و مزیل الالباس،

مکتبہ غزالی، بیروت ج۱، ص ۲۶۵)

۸- خرپوطی نے شرح قصیدہ بُردہ میں یہ حدیث مفہوماً نقل کی-

(عمر بن احمد الخرپوطی (م ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء)" عصیدۃ الشہدۃ شرح القصیدۃ

البردۃ"، نور محمد، کراچی، ص ۷۳)

9- "الحدیقۃ الندیہ" میں ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ صاحب الجمعیۃ الکبریٰ ہیں، کیوں نہ ہو، جب کہ ہر شے

آپ کے نور سے پیدا کی گئی ہے، جیسے کہ اس بارے میں یہ حدیث صحیح وارد ہے-

(امام عبدالغنی نابلسی (م ۱۱۴۳ھ/۳۱-۱۷۳۰ء) مکتبہ نوریہ، فیصل آباد، ج۲، ص ۳۷۵)

10- تاریخ خمیس میں یہ روایت معنیً نقل کی ہے-

علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری (م ۹۶۶ھ) تاریخ الخمیس فی احوال انفس

نفیس، مؤسستہ الشعبان، بیروت، ج۱، ص ۱۹)

11- امام علامہ شرف الدین بوصیری کے قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے

علامہ سلیمان الجمل (م ۱۲۰۴ھ) صاحب تفسیر الجمل "الفتوحات الاحمدیہ

بالمخ المحمدیہ ''ص ۶، ادارہ محمد عبداللطیف حجازی، قاہرہ)

12- امام علامہ ابن الحاج فرماتے ہیں:

فقیہ خطیب ابوالربیع کی کتاب ''شفاء الصدور ''میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نورِ مصطفےٰ ﷺ کو پیدا فرمایا اور اس نور سے تمام اشیاء کو پیدا کیا- ----پس نورِ عرش، نورِ مصطفےٰ ﷺ سے ہے، نورِ قلم، نورِ مصطفےٰ ﷺ سے ہے، لوحِ محفوظ کا نور، نورِ مصطفےٰ ﷺ سے ہے، دن کا نور، نورِ مصطفےٰ ﷺ سے ہے، معرفت کا نور، شمس و قمر اور آنکھوں کا نور، نورِ مصطفےٰ ﷺ سے ہے-

(ترجمہ ملخصا) (ابن الحاج: المدخل، دار الکتاب العربی، بیروت، ج ۲، ص ۳۴)

13- علامہ ابوالحسن بن عبداللہ بکری فرماتے ہیں:

حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ موجود تھا، اور کوئی شے اس کے ساتھ موجود نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے حبیب ﷺ کا نور پیدا کیا، پانی، عرش، کرسی، لوح و قلم، جنت اور دوزخ، حجاب اور بادل حضرت آدم اور حضرت حوا (علیہما السلام) سے چار ہزار سال پہلے۔

(ابوالحسن بن عبداللہ بکری ''الانوار فی مولدالنبی محمد ''نجف اشرف، ص ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے نورِ مصطفےٰ ﷺ کے پیدا کیے جانے کی روایت صرف حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی نہیں ہے بلکہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے-

14- علامہ سید محمود الوسی فرماتے ہیں:

حضور نبی اکرم ﷺ کا سب کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ ممکنات پر نازل ہونے والے فیضِ الٰہی کا ان کی قابلیتوں کے مطابق واسطہ ہیں، اسی لئے آپ کا نور سب سے پہلی مخلوق تھا، حدیث شریف میں ہے: اے جابر!

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا، یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

(سید محمود الوسی (م ۱۲۷۰ھ) رُوح المعانی، طبع بیروت) ج ۱۷، ص ۱۰۵)

ایک جگہ حدیث ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ '' نقل کی ہے۔

(رُوح المعانی، ج ۸، ص ۷۱)

1- علامہ شامی کے بھتیجے سید احمد عابدین شامی (م ۱۳۲۰ھ تقریباً) نے علامہ ابن حجر مکی کے رسالہ ''النعمة الکبریٰ علی العالم'' کی شرح میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: جواہر البحار (مصطفےٰ البابی، مصر) ج ۳، ص ۳۵۴)

1- علامہ محمد مہدی فاسی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث نقل کرنے کے علاوہ ایک دوسری حدیث بھی نقل کی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ وَمِنْ نُوْرِیْ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ''

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا اور میرے نور سے ہر چیز پیدا کی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

- ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات سے پہلے اور ان کا سبب ہیں۔

(محمد مہدی بن احمد فاسی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) ''مطالع المسرات، شرح دلائل الخیرات، المطبعۃ التازیہ) ص ۲۲۱

17- علامہ احمد عبد الجواد دمشقی نے یہ حدیث امام عبد الرزاق اور امام بیہقی کے حوالے سے نقل کی ہے۔

احمد عبد الجواد دمشقی، علامہ: السراج المنیر و بسیرته آستنیرُ (طبع دمشق ص ۱۳-۱۴

18- محدثِ جلیل حضرت ملا علی قاری نے ''المورد الروی'' میں ''مصنف عبدالرزاق'' کے حوالے سے سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔

(علی بن سلطان محمد القاری، علامہ: (م ۱۰۱۴ھ) المورد الروی فی المولد النبوی ''تحقیق محمد بن علوی مالکی (پہلا ایڈیشن ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء، ص ۴۰)

19- مکہ مکرمہ کے نامور محقق فاضل سید محمد علوی مالکی لکھتے ہیں:

حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند صحیح ہے، اس پر کوئی غبار نہیں ہے چونکہ متن غریب ہے، اس لئے اس میں علماء کا اختلاف ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے کسی قدر مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔

''محمد بن علوی مالکی حسنی، علامہ: حاشیہ ''المورد الروی'' ص ۴۰)

اس جگہ علامہ مالکی نے تفصیلی نوٹ دیا ہے، جس میں حضور سیدِ عالم، نبی اکرم ﷺ کی نورانیت، احادیث مبارکہ کے حوالے سے بیان کی ہے۔

20- فتاویٰ حدیثیہ میں ہے:

''وَاِنَّمَا الَّذِیْ رَوَاہُ عَبْدُالرَّزَّاقِ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ مُحَمَّدٍ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ مِنْ نُّوْرِہٖ''

عبدالرزاق نے جو حدیث روایت کی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے اپنے نور سے نورِ مصطفیٰ ﷺ پیدا کیا۔

(ابن حجر ہیتمی مکی، امام: (م ۹۷۴ھ) فتاویٰ حدیثیہ (مصطفیٰ البابی، مصر، ص ۲۴۷)

21- مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی ''الآثار المرفوعہ'' میں امام عبدالرزاق کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد تنبیہ کا عنوان دے کر لکھتے ہیں:

عبدالرزاق کی روایت سے نورِ محمدی کا پیدائش میں اوّل ہونا، اور مخلوق سے

پہلے ہونا ثابت ہے۔

(عبدالحی لکھنوی، علامہ: الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ص ۴۳-۴۴)

22- یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: حجۃ اللہ علی العالمین (مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۲۸)

23- مدارج النبوۃ میں ہے:

درحدیث صحیح وارد شدہ کہ "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ"

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: (م ۱۰۵۲ھ) مدارج النبوۃ، فارسی، (مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج ۲، ص ۲)

فرض کیجئے کہ کسی محفل میں یہ تمام، علماء، عرفاء اور محدثین تشریف فرما ہوں اور اس حدیث کو بیان کررہے ہوں اور اس کی تصدیق وتوثیق کررہے ہوں، تو کیا کوئی بڑے سے بڑا علامہ یہ کہنے کی جرأت کرسکے گا؟ کہ یہ سب جھوٹے، جاہل اور کج رو ہیں۔

مخالفین کی گواہی

24- غیر مقلدین کے مشہور عالم نواب وحید الزمان لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نورِ محمدی کو پیدا کیا، پھر پانی، پھر پانی کے اوپر عرش کو پیدا کیا، پھر قلم اور دوات، پھر عقل کو پیدا کیا، پس نورِ محمدی آسمانوں، زمین اور ان میں پائی جانے والی مخلوق کے لئے مادۂ اوّلیہ ہے۔

حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ قلم اور عقل کی اولیت اضافی ہے (یعنی یہ دونوں دوسری چیزوں سے پہلے ہیں، یہ نہیں کہ سب سے پہلے ہوں ۱۲ ق ن)

(وحید الزمان، ہدیۃ المہدی (طبع سیالکوٹ) ص ۵۶)

25- علماء دیو بند کے حکیم الامت نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بحوالہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کی اور اس پر اعتماد کیا۔

(اشرف علی تھانوی، مولوی: نشر الطیب (تاج کمپنی، لاہور) ص ٦)

26- غیر مقلدین اور دیو بندیوں کے امام شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں:

چنانکہ روایت ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ'' برآں دلالت می دارد

جیسے کہ روایت ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ'' اس پر دلالت کرتی ہے۔

(محمد اسمٰعیل دہلوی: یک روزہ (طبع ملتان) ص ١١)

27- فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ اور لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ--- یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں یا وضعی؟

جواب: یہ حدیثیں صحاح میں موجود نہیں، مگر شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ'' کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے۔

(رشید احمد گنگوہی، مولوی: فتاویٰ رشیدیہ، مبوب (محمد سعید، کراچی) ص ١٥٧)

اس سے پہلے مدارج النبوۃ کی عبارت گزر چکی ہے جس میں شیخ محقق نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، جبکہ گنگوہی صاحب کہہ رہے ہیں کہ شیخ کے نزدیک اس کی کچھ اصل ہے۔

-----فیا للعجب

تطبیق احادیث

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ اس سلسلے میں مختلف روایات ملتی ہیں، مثلاً نبی اکرم ﷺ کا نور، عقل یا قلم۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ ائمہ محدثین اور ارباب مشاہدہ نے ان روایات میں کس طرح تطبیق دی ہے؟

28- حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کا نام ابن تیمیہ بھی احترام

سے لیتے ہیں، فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل نے فرمایا: میں نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو اپنے جمال کے نور سے پیدا کیا، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میری روح کو پیدا فرمایا اور سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا، سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، ان سب سے مراد ایک ہی چیز ہے اور وہ ہے حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اس حقیقت کو نور اس لئے کہا کہ وہ جلالی ظلمات سے پاک ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ''

عقل اس لئے کہا کہ وہ کلیات کا ادراک کرنے والی ہے، قلم اس لئے کہا کہ وہ علم کے نقل کرنے کا سبب ہے۔

(عبدالقادر جیلانی، سید غوث اعظم: سِرُّ الْاَسْرَارِ فِیْ مَا یَحْتَاجُ اِلَیْهِ الْاَبْرَارُ۔ طبع لاہور، ص ۱۴-۱۲)

29- عمدۃ القاری میں مختلف روایات نقل کیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، ایک روایت میں ہے کہ نور و ظلمت کو پیدا کیا اور ایک روایت میں ہے نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ اوّلیت اضافی امر ہے، اور جس چیز کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اوّل ہے، تو وہ مابعد کے لحاظ سے ہے۔

(محمود بن احمد عینی، بدرالدین: (م ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری، طبع بیروت، ج ۱۵، ص ۱۰۹)

30- محدثِ جلیل حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مختلف روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

معلوم ہو گیا کہ مطلقاً سب سے پہلی شے نورِ محمدی ہے، پھر پانی، پھر عرش،

اس کے بعد قلم، نبی اکرم ﷺ کے ماسوا سب میں اولیت اضافی ہے۔

(علی بن سلطان محمد القاری: المورد الروی، ص ۴۴)

31- حضرت ملا علی قاری ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں فرماتے ہیں:

علامہ ابن حجر نے فرمایا: اوّل مخلوقات کے بارے میں مختلف روایات ہیں اور ان کا حاصل جیسے کہ میں نے شمائل ترمذی کی شرح میں بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے وہ نور پیدا کیا گیا، جس سے نبی اکرم ﷺ پیدا کیے گئے، پھر پانی، اس کے بعد عرش۔

(المرقاۃ، طبع ملتان، ج ۱، ص ۱۴۶)

32- ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اوّل حقیقی نور محمدی ہے جیسے میں نے'' المورد للمولد ''میں بیان کیا ہے۔

(المرقاۃ، ج ۱، ص ۱۶۶)

33- مرقاۃ کے صفحہ ۱۹۴ پر فرماتے ہیں:

''ہمارے نبی ﷺ کا ذکر پہلے کیا گیا، اس لئے کہ آپ رتبے میں پہلے ہیں یا اس لئے کہ آپ وجود میں پہلے ہیں --- نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

'' اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِی ''اور'' کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ ''

(اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا --- اور میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم (علیہ السلام) روح اور جسم کے درمیان تھے)

34- ایک جگہ مختلف روایات میں تطبیق کا دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اوّلیت امور اضافیہ میں سے ہے، لہٰذا تاویل یہ کی جائے گی کہ امورِ مذکورہ (قلم، عقل، نوری، روحی اور عرش) میں سے ہر ایک اپنی جنس کے افراد میں سے پہلے ہے، پس قلم دوسرے قلموں سے پہلے پیدا کیا گیا اور حضور سید عالم ﷺ کا

نورتمام نوروں سے پہلے پیدا کیا گیا-

(المرقاۃ، ج ا، ص ۱٦٧)

3- یہی امام جلیل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

رہا نبی اکرم ﷺ کا نور، تو وہ مشرق ومغرب میں انتہائی ظاہر ہے اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کا نور پیدا کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کا نام نور رکھا، اور نبی اکرم ﷺ کی دُعا میں ہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا اے اللہ! مجھے نور بنا دے (اس کے بعد چند آیات مبارکہ نقل کی ہیں) لیکن اس نور کا ظہور اہلِ بصیرت کی آنکھ میں ہے، کیونکہ (صرف) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، لیکن سینوں میں دل اندھے ہو جاتے ہیں-

(موضوعات کبیر: مجتبائی دہلی، ص ٨٦)

اس کے بعد یہی کہا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں، ان کی طرف ہمارا روئے سخن ہی نہیں ہے-

36- علامہ نجم الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ٦٥٤ھ)----احادیث نقل کرنے کے بعد مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلم، عقل اور روح تینوں سے مراد ایک ہی ہے، اور وہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی روح ہے-

(نجم الدین رازی، علامہ: مرصاد العباد، طبع ایران، ص ٣٠)

37- حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حقیقتِ محمدیہ علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات ظہورِ اوّل ہے، اور بایں معنی حقیقۃ الحقائق ہے کہ تمام حقائق خواہ وہ انبیاء کرام کی ہوں یا ملائکہ کی، اس حقیقت کے لئے سائے کی حیثیت رکھتی ہیں اور حقیقتِ محمدیہ تمام حقیقتوں کی

اصل ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا) اور یہ بھی فرمایا: خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کیا گیا اور مومن میرے نور سے) لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ اور تمام حقیقتوں کے درمیان واسطہ ہیں، کسی بھی شخص کا آپ کے واسطے کے بغیر مطلوب تک پہنچنا محال ہے (ترجمہ)

(احمد سرہندی، امام ربانی شیخ: مکتوبات فارسی (مکتبہ سعیدیہ، لاہور) حصہ نہم، د سوم، ص ۱۵۳)

38- عارف باللہ، علامہ عبدالوہاب شعرانی (م ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:

اگر تو کہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا، اور ایک روایت میں ہے، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا، ان میں تطبیق کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان دونوں سے مراد ایک ہے، کیونکہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی حقیقت کو کبھی عقلِ اوّل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور سے۔

(عبدالوہاب شعرانی، امام: م ۹۷۳ھ (الیواقیت والجواہر، مصر) ج ۲، ص ۲۰)

39- حضرت شیخ عبدالکریم جیلی (م ۸۰۵ھ) نے بھی یہی تطبیق دی ہے کہ عقل، قلم اور رو مصطفےٰ ﷺ سے مراد ایک ہی چیز ہے صرف تعبیر کا فرق ہے۔ (جواہر البحار، ج ۴، ص ۲۲۰)

40- تاریخ خمیس میں ہے:

محققین کے نزدیک اِن احادیث سے مراد ایک ہی شے ہے، حیثیتوں اور نسبتوں کے اعتبار سے عبارات مختلف ہیں، پھر "شرح مواقف" سے بعض ائمہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

عقل، قلم اور روحِ مصطفےٰ ﷺ کا مصداق ایک ہی ہے۔

(حسین بن محمد دیار بکری، علامہ: تاریخ خمیس، ج ۱، ص ۱۹)

41- امام المناطقہ میر سید زاہد ہروی، ملا جلال کے حواشی کے منہیہ میں فرماتے ہیں:

علم تفصیلی کے چار مرتبے ہیں، پہلے مرتبے کو اصطلاحِ شریعت میں قلم، نور اور عقل کہتے ہیں، صوفیاء اسے عقلِ کل اور حکماء عقول کہتے ہیں۔

(میر سید زاہد ہروی: حاشیہ ملا جلال (مطبع یوسفی، لکھنو) ص ۹۶)

42- علامہ اقبال رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَوح بھی توٗ ، قلم بھی تو ، تیرا وجود الکتاب

گنبد آبگینہ رنگ ، تیرے محیط میں حباب

(کلیاتِ اقبال اردو (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) ص ۴۰۵)

اگر زحمت نہ ہو تو ایک مرتبہ پھر ان حوالہ جات پر طائرانہ نظر ڈال لیجئے اور پوری دیانت داری سے بتائیے کہ کیا کوئی صاحبِ علم، ہوش و حواس کی سلامتی کے ساتھ ان حوالوں کو یہ کہہ کر رد کر سکتا ہے کہ یہ حضرات جاہل اور گمراہ تھے، اگر اب بھی کوئی شخص یہ کہنے پر مصر ہے، تو اسے پہلی فرصت میں اپنا دماغی معائنہ کرانا چاہیے۔

دوسرا اعتراض

احسان الٰہی ظہیر نے لکھا ہے:

یہ کس نے کہا ہے؟ کہ امت کا کسی حدیث کو قبول کر لینا اسے اس درجہ تک پہنچا دیتا ہے کہ اس کی سند کی طرف نظر ہی نہیں کی جائے گی۔"[1]

جواب:

آیئے آپ کو دکھائیں کہ علماء امت کے کسی حدیث کو قبول کرنے کا کیا مقام ہے؟

(۱) عمدۃ المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور مسلم کی روایت کردہ حدیث، خبر واحد ہونے کے باوجود یقین کا فائدہ دیتی ہے، کیونکہ اس میں صحت

---

[1] احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ، ص ۱۰۳

کے کئی قرائن پائے گئے ہیں، ان میں سے ایک قرینہ یہ ہے کہ علماء امت نے ان کی کتابوں کو قبول کیا ہے، اس گفتگو کے بعد علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

''وَهٰذَا التَّلَقِّيْ وَحْدَهٗ اَقْوٰى فِيْ اِفَادَةِ الْعِلْمِ مِنْ مُّجَرَّدِ كَثْرَةِ الطُّرُقِ الْقَاصِرَةِ عَنِ التَّوَاتُرِ''[1]

یقین کے لیے تواتر سے کم درجہ کثرتِ طرق کے مقابلے میں علماء امت کا قبول کرنا زیادہ مفید ہے۔

غور فرمایا آپ نے؟ مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کی سندوں کی کثرت (جبکہ تواتر سے کم ہو) اس قدر مفید یقین نہیں، جس قدر علماء امت کا کسی حدیث کو قبول کر لینا مفید یقین ہے

(۴) حضرت علی مرتضی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص نماز کو حاضر ہو اور امام ایک حال میں ہو تو مقتدی اسی حال کو اختیار کرے۔

امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، ہمیں معلوم نہیں کہ کسی نے اس حدیث کو کسی دوسری سند سے روایت کیا ہو، اس کے باوجود امام ترمذی نے فرمایا:

''وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ''۔

اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَكَاَنَّ التِّرْمِذِيَّ يُرِيْدُ تَقْوِيَةَ الْحَدِيْثِ بِعَمَلِ اَهْلِ الْعِلْمِ[2]

گویا امام ترمذی اہلِ علم کے عمل کے ذریعے اس حدیث کو تقویت دینا چاہتے ہیں۔

---

[1] احمد بن حجر عسقلانی، امام: نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر (طبع، ملتان) ص ۲۵-۲۴

[2] علی بن سلطان محمد القاری، علامہ: مرقاۃ المفاتیح (امدادیہ، ملتان) ۳/۹۸

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے بارے میں ہم چند حوالے اس
سے پہلے پیش کر چکے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس حدیث کو یک لخت رد کر دیا جائے اور اس کے
بیان کرنے کو ناجائز اور گناہ قرار دیا جائے۔

ہفت روزہ الاعتصام کے مدیر حافظ صلاح الدین یوسف کا ناروا انداز ملاحظہ ہو،
لکھتے ہیں:

صاحب المواہب علامہ قسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ) نویں دسویں صدی ہجری
کے بزرگ ہیں، ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان نو سو سال کا طویل
فاصلہ ہے، جب تک درمیان کی یہ کڑیاں مستند سلسلہ سے نہ جوڑی جائیں گی،
اس وقت تک موصوف کی بے سند نقل کردہ روایات پایہ اعتبار سے ساقط سمجھی
جائے گی، اس اعتبار سے سوال میں مذکور روایت بالکل بے اصل ہے، اس کو
بیان کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔[1]

امام قسطلانی نے یہ حدیث مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے بیان کی ہے، صرف
انہوں نے ہی نہیں، بلکہ بہت سے جلیل القدر محدثین اور اصحابِ کشف بزرگانِ دین نے بھی
اسے روایت کیا ہے، تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے، اتنے جلیل القدر ائمہ کرام کو بہت بڑے
گناہ کا مرتکب قرار دینا، جیسے الاعتصام کے مدیر نے کیا ہے، خود گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔

حیرت ہے کہ مصنف عبدالرزاق کو تو معتمد کتاب تسلیم کیا جاتا ہے اور جب ثقہ
محدثین اور اہلِ علم اس کے حوالے سے حدیث بیان کریں، تو کہا جاتا ہے یہ حدیث تب مقبول
ہوگی، جب تم اپنی پوری سند بیان کرو گے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آج کوئی شخص بخاری شریف
کے حوالے سے حدیث بیان کرے اور اسے کہا جائے کہ تمہارے اور امام بخاری کے درمیان
صدیوں کا فاصلہ حائل ہے، تمہارا حوالہ اُس وقت تک قابلِ قبول نہیں، جب تک تم اپنی سند

---

[1] صلاح الدین یوسف، حافظ: ہفت روزہ الاعتصام، ۲۳، مارچ ۱۹۹۰ء ص ۸

امام بخاری تک بیان نہ کرو بلکہ بقول صلاح الدین یوسف چودہ سو سالہ درمیانی کڑیاں ملانا پڑیں گی اور ظاہر ہے یہ مطالبہ قابل قبول نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض

احسان الٰہی ظہیر، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنے رسالہ ''صلاۃ الصفا'' میں ایک موضوع اور باطل روایت درج کی ہے اور اس کی نسبت سے کہا ہے کہ حافظ عبدالرزاق نے اسے مصنف میں بیان کیا ہے، حالانکہ وہ روایت مصنف میں نہیں ہے۔[1]

اس سے پہلے متعدد حوالوں سے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث کو عالم اسلام کے جلیل القدر علماء، محدثین، اور ارباب کشف وشہود نے بیان کیا ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے، اس کے باوجود اس حدیث کو موضوع اور باطل قرار دینا قطعاً غلط ہے، رہا یہ سوال کہ اس حدیث کے سلسلے میں عبدالرزاق کا حوالہ دیا جاتا ہے، مصنف عبدالرزاق چھپ چکی ہے، اس میں یہ حدیث نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اس وقت صحیح ہوتا، جبکہ ناشرین کو مکمل نسخہ دستیاب ہوا ہوتا، وہ تو خود تسلیم کر رہے ہیں کہ ہمیں مکمل نسخہ کہیں سے نہیں مل سکا۔

اس کتاب کے مرتب اور ناشر نے کتاب الطہارۃ کی ابتدا میں یہ نوٹ دیا ہے:

اس جلیل دفتر (مصنف) کی طباعت اور تیاری کے سلسلے میں جن نسخوں پر ہمیں آگاہی ہوئی ہے یا ہم نے مخطوطے یا فوٹو کاپی کی صورت میں حاصل کئے ہیں، ان کی تفصیل آپ مقدمہ میں پائیں گے انشاء اللہ! وہ سب ناقص ہیں، ہاں آستانہ (ترکی) کے کتب خانہ میں ملا مراد کا نسخہ کامل ہے، لیکن اس کی ابتدا میں طویل نقص ہے اور اصل کی پانچویں جلد بھی ابتداء سے ناقص ہے۔[2]

---

[1] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ (عربی) ص ۱۰۲
[2] حبیب الرحمٰن اعظمی: مصنف عبدالرزاق (طبع، بیروت) ۱/۳

اب یہ فیصلہ تو ناظرین ہی کریں گے کہ جن لوگوں کے پاس مصنف کا مکمل نسخہ ہی موجود نہیں ہے، ان کا یہ کہنا کس طرح قابلِ قبول ہوسکتا ہے؟ کہ چونکہ یہ حدیث مصنف میں موجود نہیں ہے، اس لئے موضوع ہے، جبکہ دوسری طرف تاریخِ اسلام کے نامور اور مستند علماء اسے مصنف کے حوالے سے بیان کررہے ہیں، بدیہی بات ہے کہ ان کا بیان ہی قبول کیا جائے گا۔

امام علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

جس شخص کو علم اور لوگوں کی روایت کے ساتھ تھوڑا سا تعلق بھی ہے، وہ اس امر میں شک نہیں کرے گا کہ اگر امام مالک اسے بالمشافہہ کوئی خبر دیں، تو وہ یقین کرلے گا کہ امام نے سچی خبر دی ہے۔[1]

یہی بات ہم بھی کہتے ہیں کہ علم و دیانت سے تعلق رکھنے والا ہر شخص باور کرے گا کہ عالم اسلام کی نامور شخصیات، جن کے حوالے اس سے پہلے گزر چکے ہیں، اگر بالمشافہہ اسے بیان کریں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث امام عبدالرزاق نے مصنف میں بیان کی ہے، تو وہ اس بیان میں یقیناً سچے ہوں گے۔

چوتھا اعتراض

غیر مقلدین کے ایک امام مولوی محمد داؤد غزنوی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر اعتراض کیا ہے۔

لیکن یہ کہنا یہ نبی اکرم ﷺ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ، کے ذاتی طور سے پیدا ہوئے، نہ صرف یہ کہ جہالت ہے، بلکہ صریح کفر ہے، اس لئے کہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ ذاتِ الٰہی کا نور، مادہ ہوا، آپ کی پیدائش کا گویا آپ ذاتِ الٰہی کے جز ہیں ---العیاذ باللہ اور یہ عقلاً و شرعاً غلط ہے--- نیز اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ و تقدس نے اپنے نور کا ایک حصہ الگ کر کے آپ کے وجود کو تیار کیا، تو معاذ اللہ! معاذ اللہ!

[1] احمد بن حجر عسقلانی، امام: شرح نخبة الفکر (طبع، ملتان) ص ۲۷

اللہ جل شانہٗ کے ذاتی نور کا ایک جزو کم ہو گیا۔[1]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے:

''نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ ،غزنوی صاحب نے سمجھا کہ لفظ مِنْ تبعیضیہ ہے
لہذا یہ معنی کشید کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا ایک حصہ الگ کر کے آپ کے وجود کو تیار کیا، یہ
خیال نہ کیا کہ لفظ مِـــنْ کئی دوسرے معنوں کے لئے بھی آتا ہے--- درسِ نظامی کی ابتدائی
کتاب ''مـأتـه عــامل ''میں وہ معانی دیکھے جاسکتے ہیں--- اس جگہ لفظ مِنْ ابتدائیہ
اتصالیہ ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے کسی چیز کے واسطے کے بغیر آپ کا
نور پیدا کیا، اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

''وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ''(النساء۴،۱۷۱)

علامہ سید محمود الوسی، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کلمۂ مِن مجازاً ابتداءِ غایت کے لئے ہے، تبعیضیہ نہیں ہے، جیسے کہ عیسائیوں نے
گمان کیا، کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کے دربار کا ایک ماہر طبیب عیسائی تھا، اُس
نے ایک دن علامہ علی بن حسین واقدی مروزی سے مناظرہ کیا اور کہا کہ تمہاری
کتاب (قرآن پاک) میں ایک آیت ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کی جُز ہیں اور یہی آیت پیش کی (وَرُوْحٌ مِّــنْـــهُ)
علامہ واقدی نے یہ آیت پیش کی:

''وَسَخَّرَلَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَافِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ''
(اور تمہارے لئے وہ سب چیزیں مسخر کیں جو آسمانوں اور جو زمین میں ہیں،
سب اس کی طرف سے ہیں)

کہنے لگے کہ تمہاری بات مان لی جائے تو لازم آئے گا کہ سب چیزیں

[1] محمد داؤد غزنوی: --- ہفت روزہ الاعتصام، لاہور(۲۳- مارچ،۱۹۹۰ء) ص ۱۱

اللہ تعالیٰ کی جز ہوں، عیسائی لاجواب ہو گیا اور اسلام لے آیا- ہارون الرشید بہت خوش ہوا اور واقدی کو گراں قدر انعام سے نوازا-[1]

عیسائی طبیب کی سمجھ میں بات آگئی اور وہ اسلام لے آیا، اب دیکھئے منکرین اور معترضین کی عقل میں یہ بات آتی ہے اور وہ تسلیم کرتے ہیں یا اپنے انکار پر ہی ڈٹے رہتے ہیں----؟ دیدہ باید!

علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

اِی اِمِنْ نُوْرٍ هُوَ ذَاتُه' لَابِمَعْنٰی اَنَّهَا مَادَّةُ خُلِقَ نُوْرُه' مِنْهَا بَلْ بِمَعْنٰی تَعَلُّقِ الْاِرَادَةِ بِهٖ بِلَاوَاسِطَةِ شَیْءٍ فِیْ وُجُوْدِهٖ -[2]

یعنی اس نور سے پیدا کیا جو ذاتِ باری تعالیٰ کا عین ہے، یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مادہ ہے، جس سے نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا کیا گیا، بلکہ آپ کے نور کے ساتھ کسی چیز کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ارادے کا تعلق ہوا-

اس وضاحت کے بعد غزنوی صاحب کے دونوں اعتراض اُٹھ جاتے ہیں-

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

- حَاشَ لِلّٰه ! یہ کسی مسلمان کا عقیدہ کیا گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ نورِ رسالت یا کوئی چیز معاذ اللہ! ذاتِ الٰہی کا جز یا عین و نفس ہے، ایسا عقیدہ ضرور کفر و ارتداد ہے[3]

پانچواں اعتراض

احسان الٰہی ظہیر لکھتے ہیں:

قرآن و حدیث کی نصوص سے نبی اکرم ﷺ کی بشریت ثابت ہے اور یہ حدیث اپنے ظاہر کے اعتبار سے ان نصوص کے مخالف ہے-

---

[1] محمود الوسی، علامہ سید: روح المعانی (طبع، ایران) ۶/۲۳
[2] محمد بن عبد الباقی زرقانی، امام: شرح مواہب لدنیہ، ۱/۵۵
[3] احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت امام: مجموعہ رسائل (نور و سایہ) طبع، لاہور، ص ۳۶

واقع بھی اس حدیث کے خلاف ہے، آپ کے والدین تھے، حلیمہ سعدیہ نے
آپ کو دودھ پلایا، آپ نے امہات المؤمنین سے نکاح کیا، آپ کی اولاد تھی،
آپ کے رشتے دار اور سسرال تھے۔[1] (ترجمہ ملخصاً)

یہ عبث گفتگو اس مفروضے پر مبنی ہے کہ اہل سنت و جماعت (بریلویوں) کے نزدیک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف نور ہیں اور بشر نہیں ہیں، حالانکہ ہمارا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا۔

چھٹا اعتراض

پرتگال کے ایک صاحب نے اول مخلوق کے بارے میں وارد احادیث کے درمیان تطبیق دینے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ: صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی کو پیدا کیا، حدیث نور ثابت ہی نہیں ہے، تو تطبیق کی کیا ضرورت اور گنجائش ہے؟

اس کا جواب یہ ہے یہ تطبیق ہم نے نہیں دی، ہم تو ناقل ہیں، پوچھنا ہو تو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ عبدالکریم جیلی، علامہ عبدالوہاب شعرانی، علامہ حسین بن محمد دیار بکری علامہ بدرالدین محمود عینی اور حضرت ملا علی قاری رحمہم اللہ تعالیٰ سے پوچھئے، جنہوں نے تطبیق دی ہے اور اول مخلوق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو قرار دیا ہے، ان کے نزدیک حدیث نور ثابت نہ ہوتی، تو تطبیق ہی کیوں دیتے؟ حوالے اس سے پہلے دیے جا چکے ہیں۔

پرتگال کے اسی علامہ کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی پیدا کیا، اس دعوے پر بطورِ دلیل یہ آیت پیش کی:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔

ان کے خیال میں حدیثِ نور اس آیت کے خلاف ہے اور تطبیق کی ضرورت نہیں کیونکہ حدیثِ نور ثابت ہی نہیں ہے۔

---

[1] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ (عربی) ص ۱۰۳

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ آیتِ مبارکہ میں مطلق موجودات کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ اجسام اور خصوصاً حیوانات کا ذکر ہے۔

علامہ سید محمود الوسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی ہم نے پانی سے ہر حیوان کو پیدا کیا، یعنی ہر اس چیز کو جو حیاتِ حقیقیہ سے متصف ہے، یہ تفسیر کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت سے منقول ہے، اس کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ　　اللہ تعالیٰ نے ہر چوپائے کو پانی سے پیدا کیا۔[1]

ظاہر ہے کہ آیت وحدیث میں مخالفت ہی نہیں ہے، آیتِ مبارکہ میں حیوانات کو پانی سے پیدا کئے جانے کا ذکر ہے اور حدیث نور میں کسی حیوان اور جسم کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ایک مجرد کا ذکر ہے جو تمام اجسام، بلکہ تمام انوار سے پہلے پیدا کیا گیا اور وہ تھا نورِ مصطفیٰ، (حضور نبی اکرم) صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

لطیفہ

احسان الٰہی ظہیر کہتے ہیں کہ ایک بریلوی نے اُردو میں یہ شعر کہا ہے:

وہی جو مستوئ عرش تھا خدا ہو کر　　پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر[2]

اللہ اکبر! اجلّہ علماء اسلام کی ایک جماعت نے مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کرنے والی ایک حدیث بیان کی، تو اسے یہ لوگ بے سند کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور اس طرح انکار حدیث کا دروازہ کھولتے ہیں، دوسری طرف خود یہ شعر نقل کر دیا اور یہ تک نہ سوچا کہ ہم کس منہ سے یہ شعر بریلویوں کے سر تھوپ رہے ہیں، نہ کوئی حوالہ نہ کوئی سند، ہمارے نزدیک یہ شعر اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے غلط ہے۔

---

[1] محمود الوسی، علامہ سید:　　روح المعانی (طبع، ایران) ۱۷/۳۴

[2] احسان الٰہی ظہیر:　　البریلویہ، ص ۱۰۵

بے سایہ وسایہ بانِ عالم

سایہ کثیف اجسام کا ہوتا ہے، لطیف اشیاء مثلاً ہوا، اور فرشتوں کا سایہ نہیں ہوتا، حضور نبی اکرم ﷺ نورِ مجسم ہیں، اس لئے آپ کے جسمِ اقدس کا سایہ نہ تھا، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے حدیث شریف اورائمہ متقدمین کے ارشادات کی روشنی میں یہ مسئلہ بیان کیا، ظاہر ہے کہ جس شخص کا دل نورِ ایمان سے روشن ہوگا، وہ اپنے آقا ومولا رحمۃ للعالمین، محبوب رب العالمین ﷺ کے کمالاتِ عالیہ اور فضائل سن کر جھوم جائے گا- اور ''آمنا وصدقنا'' کہے گا، مخالف یہ کہہ کر دامن نہیں چھڑا سکے گا کہ یہ تو بریلویوں کے خرافات ہیں، کیونکہ اس باب میں جن اکابر کے نام آتے ہیں ان پر بریلویت کی چھاپ نہیں لگائی جاسکتی یہ تو وہ بزرگ ہیں جو صدیوں پہلے گزر چکے ہیں، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں-

1- سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ کے لئے سایہ نہ تھا اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ کہ ان کا نور عالم افروز خورشید کی روشنی پر غالب آگیا اور نہ قیام فرمایا، چراغ کی ضیاء میں، مگر یہ کہ حضور کے تابش نور نے اس چمک کو دبالیا[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ارشادِ مبارک سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ صرف معنوی نور ہی نہیں ہیں، حسّی نور بھی ہیں-

2- امام نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ ''تفسیر مدارک'' میں فرماتے ہیں:

> امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا: بیشک اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کا سایہ زمین پر نہ ڈالا کہ کوئی شخص اس پر پاؤں نہ رکھ دے-[2]

---

[1] عبدالرحمٰن ابن جوزی، امام: کتاب الوفا (مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد) ۲/۴۰۷

[2] عبداللہ بن احمد نسفی، امام: تفسیر مدارک (طبع، بیروت) ۳/۱۳۵

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''خصائص کبریٰ'' میں ایک باب کا عنوان قائم کیا ہے:

بَابُ الْآيَةِ فِيْ أَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ کہ آپ کا سایہ نہیں دیکھا جاتا تھا، اس باب میں حکیم ترمذی کے حوالے حضرت ذکوان کی روایت لائے ہیں کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہ آتا تھا، دھوپ میں اور نہ چاندنی میں۔ (ترجمہ)

اس کے بعد محدث ابن سبع کا یہ ارشاد لائے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا اور آپ نور ہیں، اس لئے جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے، آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا، بعض علماء نے کہا اس کی شاہد وہ حدیث ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں عرض کیا کہ مجھے نور بنا دے۔[1]

- علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی دوسری تصنیف ''انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب'' میں فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہیں آیا نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں---ابن سبع نے فرمایا: اس لیے کہ حضور نور ہیں---امام رزین نے فرمایا کہ حضور کے انوار سب پر غالب ہیں۔[2]

- امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے وہ بات ہے جو بیان کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ انور کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا نہ چاندنی میں، اس لئے کہ حضور نور ہیں۔[3]

---

[1] عبدالرحمن بن ابوبکر سیوطی، امام: خصائص کبریٰ (مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد) ۶۸/۱

[2] ایضاً: انموذج اللبیب (الکتاب، لاہور) ص ۵۳

[3] قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی، امام: الشفاء (عربی، طبع ملتان) ۳۴۲/۱

6- علامہ شہاب الدین خفاجی نے ''شرح شفاء'' میں کسی قدر گفتگو کے بعد اپنی ایک رباعی بیان کی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے کا دامن، حضور کی فضیلت و کرامت کی بناء پر زمین پر نہ کھینچا گیا، جیسے کہ محدثین کرام نے کہا ہے، یہ عجیب بات ہے اور اس سے عجیب تر یہ کہ تمام لوگ آپ کے سائے میں ہیں۔

نیز فرمایا:

قرآن پاک کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشر ہونا، اس کے منافی نہیں ہے، جیسے کہ وہم کیا گیا ہے، اگر تو سمجھے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''نور علیٰ نور'' ہیں۔[1]

7- علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دھوپ اور چاندنی میں سایہ نہ تھا، اسے حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کیا، پھر ابن سبع کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے استدلال اور حدیث ''اِجْعَلْنِی نُوْرًا'' سے استشہاد کیا۔[2]

8- اسی طرح ''سیرتِ شامیہ'' میں ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ امام حکیم ترمذی نے فرمایا اس میں حکمت یہ تھی کہ کوئی کافر سایہ اقدس پر پاؤں نہ رکھے۔[3]

9- امام زرقانی نے اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔[4]

10- امام علامہ بوصیری کے ''قصیدہ ہمزیہ'' کی شرح میں علامہ سلیمان جمل نے یہی بیان کیا۔[5]

---

[1] احمد شہاب الدین خفاجی، علامہ: نسیم الریاض (مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ) ۲۸۲/۳

[2] احمد بن محمد قسطلانی، علامہ: مواہب لدنیہ (مع زرقانی) ۲۵۳/۴

[3] محمد بن یوسف شامی، علامہ: سبل الہدیٰ والرشاد (طبع مصر) ۱۲۳/۲

[4] محمد بن عبدالباقی زرقانی، علامہ: شرح مواہب لدنیہ، ۲۵۳/۴

[5] سلیمان جمل، علامہ: فتوحات احمدیہ شرح ہمزیہ (المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر) ص ۵

۱- اسی طرح ''کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس'' میں ہے۔[1]

۱- امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

عالمِ شہادت میں کسی بھی شخص کا سایہ اُس سے لطیف ہوتا ہے اور چونکہ پورے جہان میں آپ سے زیادہ لطیف کوئی نہیں ہے، تو آپ کا سایہ کس طرح ہوسکتا ہے؟[2]

۱- شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز نے حکیم ترمذی کی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا:

حضور نبی اکرم ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام نور ہے، اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔[3]

۱- علامہ عبدالرؤف مناوی (م۱۰۰۳ھ) نے امام ابن مبارک اور ابن جوزی کے حوالے سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث نقل کی ہے۔[4]

۱- تفسیر عزیزی میں سورۃ الضحیٰ کی تفسیر میں ہے:

نبی اکرم ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔[5]

احسان الٰہی ظہیر نے لکھا ہے:

انہوں (مولانا احمد رضا) نے اپنے ماٰدوں سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا اور یہ کہ آپ نور تھے۔[6]

---

[1] حسین بن محمد دیار بکری، علامہ: تاریخ الخمیس (مؤسسۃ الشعبان، بیروت) ۱/۲۱۹

[2] (الف) احمد سرہندی، مجدد الف ثانی: مکتوبات امام ربانی، فارسی حصہ نہم دفتر سوم (طبع، لاہور) ص۱۵۳

(ب) ایضاً: مکتوبات امام ربانی، اردو (مدینہ پبلشنگ، کراچی) ص۱۵۵۳

[3] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ۱/۲۱

[4] عبدالرؤف مناوی، علامہ: شرح شمائل ترمذی (مصطفیٰ البابی، مصر) ۱/۴۷

[5] عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی، فارسی (مسلم بک ڈپو، دہلی) ص۳۱۲

[6] احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ (عربی) ص۱۰۵

اہل سنت و جماعت! مبارک ہو کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لے کر
ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک جن حضرات نے سرکارِ دوعالم ﷺ
کے سائے کی نفی ہے، وہ سب ہمارے امام ہیں، غیر مقلدین کے نہیں، اگر اُن کے امام ہو
تو یہ کیوں کہا جاتا کہ ''انہوں نے اپنے اماموں سے نقل کیا ہے''. آیئے سرسری نظر سے جا
لیں کہ ظہیر صاحب نے کن کن حضرات کو امام ماننے سے انکار کیا ہے۔

(۱) حضرت ابن عباس (۲) حضرت عثمان غنی (۳) امام جلال الدین سی
(۴) امام نسفی، صاحب مدارک (۵) امام قاضی عیاض (۶) علامہ شہاب الدین خف
(۷) جلیل القدر تابعی، حضرت ذکوان (۸) امام ابن سبع (۹) حکیم امام ترمذی (۱۰) علام
بن یوسف شامی (۱۱) امام احمد بن قسطلانی (۱۲) امام زرقانی (۱۳) علامہ سلیمان جمل (
علامہ حسین بن محمد دیار بکری (۱۵) امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۶) شیخ عبدالحق محدث دہ
(۱۷) امام عبدالرؤف مناوی (۱۸) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس اللہ تعالیٰ اسرار

استدراک

حضرت مولانا علامہ صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری دامت برکاتہم شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور نے اس طرف توجہ مبذول کروائی ہے کہ مصنف کے بازیافت ہونے والے حصے کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک درخت پیدا فرمایا جس کی چار شاخیں تھیں، اس درخت کا نام "شجرة اليقين" (یقین کا درخت) رکھا پھر نور مصطفیٰ ﷺ کو پیدا کیا، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یقین کا درخت پہلے تھا، جب کہ ہمارا قطعی عقیدہ یہ ہے کہ نورِ مصطفیٰ ﷺ سب سے پہلے پیدا کیا گیا۔

اس سلسلے میں گزارش ہے:

(۱)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ "حدیثِ نور" رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، اس لئے اسے ترجیح ہے جبکہ مصنف کی پہلی حدیث ایک صحابی کا قول ہے اور حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں ہے۔

(۲)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت اولیت کے بیان میں نص ہے کیونکہ اس میں سوال ہی یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کونسی چیز پیدا فرمائی؟ اور جواب بھی اسی بات کا بالقصد دیا گیا اس لئے اسے ترجیح ہے، جبکہ یہ حدیث بیان تخلیق نور میں تو نص ہے، لیکن اولیت کے بیان میں نص نہیں ہے، بلکہ ظاہر ہے اور ظاہر کے مقابل نص کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۳)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثِ نور کو علماء امت کی طرف سے عظیم تلقی بالقبول حاصل ہے۔ جبکہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو وہ تلقی بالقبول حاصل نہیں۔

بعض لوگوں کے بارے میں سنا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مصنّف کے مخطوطے کا رسم الخط ہندوستانی ہے، لہٰذا یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ بغداد شریف میں لکھا گیا ہو" میں نہ مانوں" کا تو افلاطون اور بقراط کے پاس بھی علاج نہیں تھا، کیا اعتراض کرنے والوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہندوستان کے بے شمار اہلِ علم نے حرمین شریفین جا کر بڑے بڑے علمی کام کئے ہیں بغداد شریف میں کسی کتاب کے لکھے جانے کیلئے کیا ضروری ہے کہ وہ بغداد شریف ہی کا رہنے والا ہو۔

۱۳/صفر ۱۴۲۷ھ — محمد عبدالحکیم شرف قادری

مصنف عبدالرزاق کی دریافت شدہ "جزء مفقود" پر اعتراضات کا

مُسکِت جَواب

عربی تحریر

خادم العلم الشریف ڈاکٹر عیسیٰ ابن عبداللہ حمیری (دبئی)

ترجمہ

شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ،وہ جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت ورسوائی کا شکار بنا دیتا ہے، ہر بھلائی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ ہر (ممکن) شے پر قادر ہے، صلاۃ وسلام نازل ہوں عدنان کی اولاد کے سردار ﷺ پر جن کو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دینے والا، ڈرسنانے والا، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور چمکانے والا آفتاب بنا کر بھیجا، آپ کی نورانی اور مبارک آل، آپ کے صحابہ کرام اور تابعین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) پر۔

امابعد!

آج سے تقریباً یک سال پہلے میں نے امام عبدالرزاق صنعانی کی کتاب ''مصنف'' کے گم شدہ حصے پر تحقیق کی تھی اور اسے طبع کیا تھا، میں نے شعبۂ حدیث میں اعلیٰ تعلیم ''ام القریٰ یونیورسٹی'' (سعودی عرب) وغیرہ میں حاصل کی، اس دوران میں نے یہ حصہ چھپنے کے لئے دے دیا، مجھے امید تھی کہ محققین اس کام پر نظر ڈالیں گے اور اپنی رائے کا اظہار کریں گے، کیونکہ علم، اصحاب علم کے درمیان ایک رشتہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (الآیۃ) نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ) دین خیر خواہی کا نام ہے۔

اس لئے مجھے امید تھی اور آئندہ بھی رہے گی کہ اصحاب علم اسلامی اخلاق کے دائرے کی وسعت کے مطابق نیکی، پرہیزگاری اور خیر خواہی کے اظہار میں تعاون کریں

گے، مگر انتہاپسندوں کی ایک جماعت نے مختلف رویے کا اظہار کیا اور وہ ہماری نظر میں دو قسم کے ہیں۔

(1) وہ انتہاپسند جو وسائل رزق حاصل کرنے اور ملازمت میں مصروف ہیں۔

(2) اصلی انتہاپسند۔

دونوں قسم کے افراد نے وہ راستہ اختیار کیا جو صحیح علمی تنقید، اسلام کی وسعت، اخلاق کی آسانی اور مسلمانوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لینے سے بعید تھا، انہوں نے ہماری اور ہمارے دوستوں کی مختلف طریقوں سے مذمت کی، یہاں تک کہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے اور دلوں کی بھڑاس نکالنے کے لئے ہم پر بڑی بڑی اور بری بری تہمتیں لگانے سے دریغ نہیں کیا، ہم اپنے لئے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ عافیت اور راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

انہوں نے ایک طرف تو کینے اور دشمنی کا راستہ اختیار کیا اور دوسری طرف خیانت اور بہتان کا انداز اپنایا، جب کہ ہمیں ان میں سے کوئی طریقہ بھی خوف زدہ نہیں کر سکتا، ہم جس بات کو صحیح سمجھتے ہیں اسی کی تائید میں کوشاں ہیں، خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض، قافلہ ان شاء اللہ تعالیٰ چلتا رہے گا اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

میں نے یہ کلمات اس لئے لکھے ہیں تاکہ حقائق منکشف ہو جائیں، سچے اور جھوٹے کا فرق ظاہر ہو جائے اور قارئین کرام پر واضح ہو جائے کہ وثوق اور اطمینان والا کون ہے اور راہ فرار اختیار کرنے والا کون ہے؟ اس تحریر سے میرا مقصد انتہا پسند حاسد یا خیانت پسند شخص سے ٹکر لینا نہیں ہے، میرا مقصد تو یہ ہے کہ (اللہ اور رسول کے) سچے محبین

کے دلوں کوقوت حاصل ہو،تاکہ ان پر اڑایا جانے والا غبار اثر انداز نہ ہو، اور بے وقعت تحریرات ان کے لئے اشتباہ کا باعث نہ ہوں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مخالف تو کبھی مطمئن نہیں ہوگا اور اپنی غلط روش سے باز نہیں آئے گا، اپنی خواہش نفس کے علاوہ کسی بات کو تسلیم نہیں کرے گا، دوسرے کی پکار کو نہیں سنے گا اگرچہ وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہو، ہاں! جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ خیر پر اتفاق کرے گا۔

اب میں اپنے محبت شعار بھائیوں سے مخاطب ہوتا ہوں اور اپنی بہت سے مصروفیات کی وجہ سے تاخیر پر معذرت خواہ ہوں۔

میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

حدیث شریف کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ امام عبدالرزاق صنعانی کی تصنیف ''مصنف'' نامکمل چھپی تھی، کچھ حصہ اس کی ابتدا سے غائب اور کچھ درمیان سے، اس حقیقت کا برملا اعتراف اس کے پہلے محقق شیخ حبیب الرحمٰن اعظمی نے بھی کیا تھا اور میں نے اس کا تذکرہ اپنی تحقیق میں کیا تھا، میں نے یہ حصہ مصر، مغرب، یمن، اور ترکی کے کتب خانوں میں تلاش کیا جہاں جہاں اس کے ملنے کا گمان ہوسکتا تھا اور علمی وتحقیقی مراکز کے فوٹو سٹیٹ کے شعبوں میں بھی تلاش کیا، بڑی محنت اور مشقت کے بعد مجھے ''مصنف عبدالرزاق'' کی دو (قلمی) جلدیں دستیاب ہوئیں، پہلی جلد میں مجھے ''مصنف'' کا وہ حصہ مل گیا جو گم شدہ تھا اور میں نے تحقیق میں بیان کیا ہے کہ وہ مخطوطہ ماوراء النهر کے شہروں سے آیا تھا، وہ نسخہ ایک سال میرے پاس رہا، میں نے اسے مخطوطات کے ماہرین کے سامنے پیش کیا تو انہیں نے اسے درست قرار دیا اور کہا کہ یہ تحقیق

کے لائق ہے، میں نے اپنی رائے ''مصنف'' کے تحقیق شدہ حصے کے مقدمے میں بیان کردی ہے۔

اسی مقصد کے لئے میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور ''مکتبہ عارف حکمت حسینی'' میں کام کرنے والے بعض ماہرین مخطوطات سے ملا، انہوں مجھے بتایا کہ آپ کے پاس جو مخطوطہ ہے اس کے مشابہ دسویں صدی ہجری کے خطوط موجود ہیں اور انہوں نے مجھے متعدد مخطوطے دکھائے، تب مجھے خوشی حاصل ہوئی۔

پھر جن شہروں سے یہ مخطوطہ ہمارے پاس آیا ہے وہاں کے ثقہ علماء، فضلاء اور باخبر لوگوں سے میں نے مخطوطے کے کاغذ کی نوعیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ کاغذ کم از کم تین سو سال پہلے ناپید ہو چکا ہے، انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ میرے پاس جو مخطوطہ ہے وہ ایک قدیم اصل سے نقل کیا گیا ہے، میں نے اس اصل تک پہنچنے اور حاصل کرنے کی کوشش کی بصورت دیگر اس کی فوٹو کاپی ہی مل جائے تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ اصل مخطوطہ ان جنگوں میں ضائع ہو گیا جو کچھ عرصہ قبل افغانستان کے شہروں میں لڑی گئی ہیں، تب میں نے مخطوطات کے ماہرین سے دوبارہ سوال کیا تو انہوں نے بیک زبان یہ جواب دیا کہ یہ مخطوطہ اپنے سلسلے میں نایاب موتی ہے اور دیانت وامانت کا تقاضا ہے کہ اسے شائع کردیا جائے۔

مذکورہ بالا آراء، مشورے اور استخارے کے بعد میں نے درج ذیل علمی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے مخطوطے کی تحقیق کا فیصلہ کیا۔

(1) مختلف نسخوں کو جمع کیا جائے، ان کے درمیان مقابلہ کیا جائے، یہ بھی ملحوظ

جائے کہ تاریخی اعتبار سے مصنف کے قریب کون سا نسخہ ہے؟ اصل نسخے پر اعتماد
جائے اوراس کی نشاندہی کی جائے ، پھر اس کا باقی نسخوں کے ساتھ مقابلہ
جائے، کیونکہ بعض اوقات معتمد نسخے میں نقص واقع ہوجاتا ہے، جسے دوسرے نسخوں
ساتھ مقابلے سے دور کیا جاسکتا ہے۔

) مؤلف کے خط کی تحقیق کی جائے۔

) اس نسخے کی تحقیق کی جائے جو مؤلف کے زمانے میں لکھا گیا ہو اور اس کے
سامنے پڑھا گیا ہو۔

) نسخے کے سماعات ہوں یعنی مختلف علماء کی تحریریں ہوں کہ ہم نے یہ کتاب فلاں
عالم سے سنی۔

) مخطوطہ مؤلف کے زمانے کے قریب لکھا گیا ہو۔

) مخطوطے میں مقابلے کے آثار ہوں مثلاً کہیں دائرہ یا نقطہ لگا ہوا ہو۔

لیکن ان شرائط کا پایا جانا حتمی اور لازمی نہیں ہے، جب یہ شرائط نہ ہوں اور اس
وطے کی حاجت ہو تو جو نسخہ موجود ہو اسی پر اکتفا کیا جائے گا کیونکہ جو چیز مکمل دستیاب نہ
اسے بالکل چھوڑ بھی نہیں دیا جاتا، یہ بطور تنزل ہے تاکہ جس چیز کی حاجت ہے اس کا
ہار ہو جائے جیسے کہ حدیث ضعیف کا حال ہے جو کسی باب میں ایک ہی ہو اور اس کے
وہ کوئی حدیث نہ پائی جائے تب اسی پر عمل کیا جائے گا اور دوسرے کو اس پر عمل کا پابند
ں کیا جاسکتا اور یہ احتیاط بہرحال کی جائے گی کہ شریعت مطہرہ کے مقاصد کی مخالفت
زم نہ آئے۔

بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو صرف ایک ہی اصل (نسخے) کی بنیاد پر چھاپ د
گئیں اور ان پر کسی کا سماع بھی درج نہیں تھا بلکہ اگر میں یہ کہہ دوں تو حقیقت سے بعید نہیں
ہوگا کہ سنت مبارکہ وغیرہ کی بہت ساری کتابیں جو چودہویں صدی کی ابتدا اور اس ے
درمیان ''مطبعہ امیریہ، مصر'' میں شائع کی گئیں ان کے اصل نسخے معروف نہیں ہیں۔

میں اس میدان میں اناڑی نہیں ہوں، میں نے تحقیق میں علمی اصولوں کی پیرو
کی ہے۔ بلکہ اس میدان میں میرے بہت سے تحقیقی اور تنقیدی کام ہیں اور میں ایک عر
اس میں مصروف رہا ہوں اور میرے علمی کاموں میں تحقیق نمایاں طور پر دکھائی د
ہے، میں نے ایم۔اے کا مقالہ لکھتے وقت علامہ محب الدین طبری کی کتاب: ''الریاض
النضرة'' کے اس حصے کی تحقیق کی تھی جس کا تعلق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ
کے ساتھ تھا، میں نے ڈاکٹریٹ کے مقالے میں حافظ سخاوی کی کتاب: ''استجلا
ارتقاء الغرف بحب اقرباء الرسول ﷺ ذوی الشرف'' کی تحقیق کی تھی، ا
کے علاوہ متعدد کتب اور مضبوط علمی مقالات ہیں جن پر اکابر علماء نے مقدمے لکھے ہیں
'' لباب النقول فی طهارة العطور الممزوجة بالكحول '' جسے مجمع الفقہ الاسلا
سے توثیق حاصل ہوئی اور ''کتاب التامل فی حقيقة التوسل '' اور '' کتا
العقیدة'' اور متعدد مقالات اور تالیفات۔

''مصنف'' کی جزء مفقود پر میں نے جو کام کیا اس پر برادرم ڈاکٹر محمود سعید مم
نے مقدمہ لکھا، مقدمہ صرف اس کام پر تھا ایک ایک بات اور ایک ایک رائے پر نہیں تھا
اس کام کی اشاعت کرنے کے تقریباً دو ماہ بعد اچانک مجھے مخالفین کے ش

سامنا کرنا پڑا، انٹرنیٹ کی ویب سائٹس اس کتاب کے بارے میں اعتراضات اور تنقید سے بھری ہوئی تھیں، اس کے علاوہ اتنی گالیاں دی گئی تھیں جن سے ایک پوری کتاب تیار کی جا سکتی ہے۔

میرے خلاف اور مقدمہ لکھنے والے ڈاکٹر محمود سعید ممدوح کے خلاف باطل دعووں کا ایک انبار تھا، میں نے ان سب باتوں سے درگزر کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تاہم میں نے معترضین کے دو اعتراضوں کا جواب دیا ہے جن کا تعلق علم سے ہے، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میں ان کا جواب دوں گا۔

(1) معترض نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے۔

(2) اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس حصے کی سندیں مرکب خود تیار کی گئی ہیں قارئین کرام! جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ معترض حق و انصاف سے بہت دور چلا گیا ہے، چنانچہ اس نے مجھ پر اور محدث محمود سعید ممدوح پر جھوٹا اور غلط الزام لگایا کہ مصنف عبدالرزاق کا یہ حصہ ہم نے خود تیار کیا ہے، پھر جب اسے معلوم ہوا کہ میں جلد بازی میں فاش غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا ہوں تو اس نے اس دعوے سے رجوع کر لیا اور خود اپنے فیصلے کے خلاف فیصلہ دے دیا اور اپنے قول کو باطل قرار دے دیا، کیونکہ یہ قول واضح طور باطل ہے یہاں تک کہ نوآموز قسم کے لوگ بھی اسے باطل قرار دیں گے۔ اس کی درج ذیل چند وجہیں ہیں:

(1) مخطوطہ ہمارے پاس ماوراء النھر کے شہروں سے آیا، اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے، یہ تو ایسے ہی ہے کہ کسی محقق کو کوئی مخطوطہ مل جاتا ہے، وہ اس پر حواشی اور مقدمہ وغیرہ لکھ

کر چھپنے کے لئے دے دیتا ہے۔مخطوطہ میرے پاس موجود ہے اور وہ یقینی طور پر میری پیدائش سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔

(2) چلئے ہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ مصنف کا یہ حصہ جعلی ہے لیکن کیا موضوعات کا روایت کرنے والا وضّاع (جعل ساز) بن جاتا ہے، ائمہ حفاظ مسند بلکہ معلق اور موضوع احادیث بغیر کسی تنبیہ کے روایت کرتے رہے ہیں، صرف سند یا اس کی تعلیق کے ظاہر کرنے پر اکتفا کرتے رہے ہیں، متاخرین حفاظِ حدیث مثلاً ابو نعیم اصبہانی، ابو بکر خطیب بغدادی بلکہ ان سے پہلے جیسے ابن عدی، عقیلی اور سہمی وغیرہ کی کتب بہت سی منکر، واہی اور موضوع احادیث پر مشتمل ہیں، جیسے کہ بہت سے رسائل ایسے ہیں جن کی علمی محافل میں تحقیق کی گئی پھر بعد میں منکشف ہوا کہ ان کی نسبت ان کے مؤلفین کی طرف صحیح نہیں ہے، کیا ہم نے کبھی سنا کہ کسی محقق کا وہ مقالہ جس میں کوئی موضوع حدیث ذکر کی گئی ہو کینسل کر دیا گیا پھر اس محقق پر اور اس کے نگران اور اس کی یونیورسٹی پر جھوٹ اور جعل سازی کی تہمت لگائی ہو کیسی حیران کن بات ہے۔

امام عبداللہ ابن امام احمد کی طرف منسوب ''کتاب السنۃ'' پر ام القریٰ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی گئی حالانکہ اس کی نسبت امام عبداللہ کی طرف صحیح نہیں ہے، اسی طرح عبدالعزیز کنانی کی طرف منسوب ''کتاب الحیدہ'' پر جامعہ اسلامیہ میں تحقیق کی گئی، امام دارقطنی کی ''کتاب الرؤیۃ'' اور امام احمد بن حنبل کی ''کتاب اثبات الحرف والصوف'' پر جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) میں تحقیق کی گئی ہے، اسی سلسلے کی کڑی ہیں وہ کتب، رسائل اور روایات جو امام احمد بن حنبل وغیرہ کی طرف

منسوب ہیں۔

(3) اس جگہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ کسی کتاب کے چھاپ دینے اور شائع کردینے اور اس کی روایت میں فرق واضح ہے، ثقہ اور حافظ حضرات کا یہ عام سا معمول ہے کہ وہ موضوعات ، واہی اور منکر حدیثیں بیان کرتے ہوئے سند کے بیان پر اکتفا کرجاتے ہیں تاہم بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ معرفت اور علم رکھنے والے شخص کو چاہیے کہ وہ (موضوع، واہی اور منکر وغیرہ کی) وضاحت کردے۔

جہاں تک کسی کتاب کی تحقیق کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی روایت کی جارہی ہے اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ اس کی روایت کی اجازت دی جارہی ہے، سب نہیں تو اکثر ناشر اور محقق ایسے نہیں ہوتے جو اسانید کے حوالے سے متون پر حکم لگا سکیں اور اس سلسلے میں غور وفکر کریں۔

میں نے دیکھا ہے کہ بعض معترضین نے مجھ پر اعتراض کرنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ کی امداد اور مشیت سے میں ان کو مسکت جواب دوں گا۔

دوسرا امر: معترض نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نسخے کی سندیں خود تیار کی گئی ہیں، اس نے اپنے دعوے پر پندرہ دلائل پیش کئے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(1) اس کا گمان ہے کہ یہ نسخہ جعلی ہے، کیونکہ اس کا خط دسویں صدی کے خطوط میں سے نہیں ہے، بلکہ ان خطوط کی جنس سے ہے جو پچھلی صدی میں پتھر پر کندہ کاری میں استعمال ہوتے تھے۔

(2) اس کا گمان ہے کہ کلمۂ (طاؤس) اور کلمہ (الملائکۃ) دسویں صدی کے خطوط

میں سے نہیں ہے۔

(3) اس کا کہنا ہے کہ اس نسخے کی سند نہیں ہے، اس پر سماعات بھی تحریر نہیں ہیں (یعنی یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ میں نے یہ نسخہ فلاں سے سنا، فلاں نے فلاں سے سنا) نیز! ہجری تاریخ کے لکھنے کی عادت بھی خلافت عثمانیہ کی آخر میں پائی گئی (جب کہ اس نسخے پر تاریخ لکھی ہوئی ہے۔)

(4) اسے یہ اعتراض ہے کہ یہ نسخہ (باب فی تخلیق نور محمد ﷺ) سے شروع ہوتا ہے حالانکہ مصنف عبدالرزاق احکام کی کتاب ہے، اسے کتاب الطھارۃ سے شروع ہونا چاہیے تھا۔

(5) اسے یہ اعتراض ہے کہ میں نے مصنف عبدالرزاق کے لئے اپنی سند اس لئے بیان کی ہے تاکہ میں قارئین کو اس وہم میں ڈال دوں کہ یہ کتاب جو ہمارے سامنے ہے اس کی سند متصل ہے۔

(6) اسے یہ اعتراض ہے کہ عبدالرزاق نے اس نسخے میں جو حدیث بیان کی ہے اس کے الفاظ اور معانی کمزور ہیں اور اس کا یہ اعتراض ظاہر البطلان ہے۔

(7) معترض نے کہا ہے کہ اس نسخے کی احادیث عجمی اور دور آخر کی تراکیب پر مشتمل ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ متن بھی خود تیار کیے گئے ہیں، اس دعوے پر اس نے نو وجوہ سے استدلال کیا ہے۔

پہلی وجہ: حدیث نمبر 7 میں آیا ہے (وانور هم لونا) اور حدیث نمبر 9 میں ہے (كَانَ اَحلَى النَّاسِ وَاَجْمَلَهُمْ مِنْ بَعِيْدٍ)

دوسری وجہ: حدیث نمبر 10 میں ہے (كان البراء يكثر من قول اللهم صل على محمد وعلى آله بحر انوارك ومعد ن اسرارك) معترض کا کہنا ہے کہ یہ خالص صوفیانہ ترکیب ہے اور دلائل الخیرات سے لی گئی ہے۔

تیسری وجہ: حدیث نمبر 11 اور 12 میں ہے (اللهم صل على سيدنا محمد ن السابق للخلق نوره) اس پر یہ اعتراض کیا کہ سیدنا کا پہلے دور میں استعمال نہیں ہوتا تھا۔

چوتھی وجہ: حدیث نمبر 13 کے بارے میں کہا کہ یہ صوفیانہ ترکیب ہے اور دلائل الخیرات سے لی گئی ہے۔

پانچویں وجہ: حدیث نمبر 14 اور 15 کے حاشیہ میں راقم نے لکھا تھا کہ ابن ابی زائدہ، یحیٰ ابن زکریا ہے، اس پر معترض نے اعتراض کیا کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ معمر جس محدث سے روایت کرتے ہیں وہ یحیٰ کے والد زکریا ہیں، پھر جناب معترض حدیث نمبر 16 پر تنقید کرتے ہوئے مجھ پر بری طرح برسے ہیں، میں اس سے صرف نظر کرتا ہوں۔

چھٹی وجہ: معترض کا کہنا ہے کہ معمر نے ابن جریج سے روایت نہیں کی جیسے کہ حدیث نمبر 10 میں ہے۔

ساتویں وجہ: معترض کا کہنا ہے کہ معمر کی روایت سالم سے اور ان کی روایت ابوہریرہ سے دو مختلف ترکیبیں ہیں۔

آٹھویں وجہ: حدیث نمبر 36 پر اعتراض کیا ہے کہ لیث معمر کے اساتذہ میں سے

نہیں ہیں۔

نویں وجہ: حدیث نمبر 20 پر اعتراض کیا ہے کہ زہری کی ربیع سے ملاقات نہیں ہے، دوسرا اعتراض یہ کیا کہ اس حدیث میں حفاظِ حدیث کو تو متابعت کا پتا نہیں چل سکا، لیکن محقق (ڈاکٹر عیسیٰ مانع) اور شیخ محمود سعید ممدوح کو پتا چل گیا۔

(8) معترض نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کتاب میں کئی حدیثیں مصنف ابن ابی شیبہ سے نقل کر دی گئی ہیں۔

(9) معترض نے یہ دعویٰ کیا کہ کتاب میں کئی سندیں ایسی جعلی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جعل ساز علم حدیث سے دور ہے۔

(10) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث (حدیث نور) کے بارے میں کہا کہ یہ موضوع ہے۔

(11) معترض کا کہنا ہے کہ یہ قرآن پاک کے معارض ہے۔

(12) معترض نے حدیث (عرق الخیل) کا حوالہ دے کر کہا ہے کہ میں منکر حدیثیں روایت کرتا ہوں۔

(13) معترض نے میرے احادیث کی تخریج کرنے پر طعن کیا ہے اور اس نے کہا ہے کہ مصنف کی جزء محقق کا شائع کرنا ڈنمارک کے خاکوں سے ملتا جلتا معاملہ ہے۔

(14) معترض نے ادیب کمدانی کی گواہی پیش کی ہے اور اسے مخطوطے کے جعلی ہونے کی دلیل بنایا ہے۔

(15) معترض نے میرے اس دعوے کو غلط قرار دیا ہے کہ مخطوطے کا نقل کرنے والا

احتیاط ہے۔

(16) حضرات سادات غماریہ نے عارف باللہ سیدی محی الدین ابن عربی حاتمی قدس سرہ کی توثیق کی ہے، معترض نے ان پر بھی اعتراض کیا ہے۔

یہ سولہ اعتراضات ہیں جو مخالفین نے مصنف کی جزء مفقود پر کئے ہیں اور میں اللہ تعالیٰ کی امداد سے ان کے جواب دوں گا تاہم سب وشتم یا کردار کشی سے گریز کروں گا کیونکہ یہ علماء تو کیا عام مسلمان کے اوصاف میں سے بھی نہیں ہے۔

اب ان اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

(1) معترض نے اعتراض کیا ہے کہ یہ مخطوطہ جعلی ہے کیونکہ اس کا خط دسویں صدی کے خطوط کی جنس سے نہیں ہے بلکہ اس کا خط گزشتہ صدی میں ہندوستان میں ہونے والی پتھروں پر کندہ کاری کے خطوط سے ہے۔

جواب: برادر عزیز! یہ مخطوطہ اس اصل سے نقل کیا گیا ہے جو دسویں صدی میں لکھا گیا تھا تاہم اس کا خط دسویں صدی میں لکھے گئے بعض خطوط کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، ہم نے ایسے مخطوطے دیکھے ہیں اور ان کی فوٹو کاپی ہم نے مقدمہ تحقیق میں لگائی ہے۔

معترض صاحب لکھتے ہیں:

دسویں صدی کے خط نسخ اور خط ثلث ہمارے آج کے خطوط سے مختلف نہیں ہیں، پس (ڈاکٹر عیسیٰ مانع) حمیری کو اس بات پر کیوں اصرار ہے کہ مخطوطے کا خط صرف دسویں صدی کا ہے؟

معترض صاحب نے یہ بات لکھ کر اپنی ہی بنیاد برباد کی ہے کیونکہ انہوں نے لکھا

ہے کہ ''دسویں صدی کے خط نسخ اور ثلث ہمارے آج کے خط نسخ اور خط ثلث سے مختلف نہیں ہیں'' یہ لکھ کر انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ ہوسکتا ہے یہ مخطوطہ دسویں صدی کا لکھا ہوا ہو اور واقعی اس کا احتمال ہے۔

یہ نسخہ قادریوں، نقشبندیوں یا ان کے علاوہ کسی کے پاس سے آیا ہے تو یہ اس کے موضوع اور جعلی ہونے کی علامت نہیں ہے، کتنے ہی مخطوطے ہیں جو ہمارے پاس یورپ، روس اور امریکہ سے آئے ہیں اور ہم نے ان پر اعتماد کیا ہے، کیا ہم محض ظن وتخمین سے کام لیتے ہوئے اس نسخے کو جعلی قرار دیں گے اور ایک مسلمان کی عزت وحرمت کو خاک میں ملانے کی کوشش کریں گے؟!

اگر ہندوستان کے قادری یا دوسری لوگ جعلی نسخہ ہی تیار کرنا چاہتے تو وہ کسی پرانی قلمی کتاب کو لے کر اسے دھوڈالتے اور اس پر پرانے خط کے مشابہ خط میں نئی تحریر لکھ دیتے اور اس پر مختلف سماعات بھی ثبت کر دیتے تو ان کی جعل سازی کو منکشف کرنا بہت مشکل ہو جاتا لیکن وہ اہل محبت اور نیک لوگ ہیں (وہ اس قسم کی حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے) مگر مخالفین اپنے آپ کو اور قارئین کو فوری طور پر اس وہم میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں۔

پھر یہ نسخہ ماوراء النھر کے شہروں سے ہے تو وہ کیوں جعل سازی، جھوٹ اور وضع کا ارتکاب کریں گے؟ تاریخ کے طویل عرصے میں ان کا کردار معلوم ہے۔

نیز! جہاں احتمال پیدا ہو جائے وہاں استدلال ساقط ہو جاتا ہے، اس طرح معترض کی دلیل خود اس کے خلاف چلی جائے گی (جب اس کے نزدیک یہ احتمال مسلم ہے

کہ یہ نسخہ دسویں صدی کا ہو سکتا ہے) رہا معترض کا ادیب کمدانی کے قول کو پیش کرنا تو یہ اسے مفید نہیں ہے کیونکہ ہم قصوں اور کہانیوں کے در پئے نہیں ہیں جو دلائل و براہین پر نہیں بلکہ اقوال پر مبنی ہوتی ہیں، اب آپ کی مرضی ہے کہ جو راستہ چاہیں اختیار کر لیں کیونکہ معاملہ بہت اہم ہے۔

(2) معترض نے دو لفظوں (الطاؤس) اور (الملائكة) سے استدلال کیا ہے۔

برادر عزیز! اس کا یہ ہے کہ معترض نے لفظ (الطاؤس) میں تحریف کی ہے، اس نے واو پر ضمہ (پیش) پڑھنے کی بجائے اس پر ہمزہ پڑھا ہے اور اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ معترض علم و معرفت سے عاری ہے، یہاں تک کہ مخطوطہ بھی نہیں پڑھ سکتا، کیونکہ عداوت اور جہالت نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے، پھر کلمۂ (داود) کے لکھنے میں معمول یہ ہے کہ پڑھی تو دو واویں جاتی ہیں جب کہ لکھنے میں ایک آتی ہے اور اس پر پیش لکھا ہوتا ہے، اسی طرح لفظ (طاوس) ہے۔

البتہ بعض معروف کتابوں مثلاً ''مسالك الابصار'' میں دو واو لکھی گئی ہیں، یہی حال (شؤون) کا ہے۔ بعض حضرات دو واو لکھ کر پہلی واو پر ہمزہ لکھ دیتے ہیں، مصری انداز میں واؤ لکھ کر اس پر ہمزہ لکھ دیا جاتا ہے، اس معاملے میں گنجائش ہے (دیکھئے نمونہ نمبر 1)

علاوہ ازیں لفظ طاوس امام حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب: ''معرفة علوم الحديث'' ص 104 میں اس طرح لکھا گیا ہے کہ واؤ کے اوپر ہمزہ لکھا ہوا ہے، اس طرح امام سخاوی کی کتاب ''فتح المغيث'' (212/1) میں بھی اسی طرح لکھا

ہوا ہے، کیا امام حاکم پر ایسا اعتراض کیا جا سکتا ہے؟ اور کیا امام سخاوی بھی عجمی تھے؟ یا ان دو کتابوں کی تحقیق کرنے والے عجمی تھے؟ کوئی شک نہیں یہ بہتان ہے۔

رہا لفظ ملائکہ تو اسے بھی معترض نے تحریف کر کے نقل کیا ہے، یہ لفظ مصنف (جز مفقود) میں قرآنی رسم الخط کے مطابق ہے، یعنی ہمزہ وصلی موجود ہے، دوسرے لام کے بعد الف حذف کردیا گیا ہے اور اس کے بعد ہمزہ مکسورہ ہے اور آخر میں تا ہے۔(الملئکة)

(3) اس شق میں دو اعتراض مندرج ہیں۔

(ا) اس نسخے کی سند نہیں ہے اور اس پر سماعات بھی نہیں ہیں، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ درجنوں اجزاء اور نئی طبع شدہ کتابیں ایسے اصول کی بنیاد پر چھاپی گئی ہیں جن پر سماع کی تحریر نہیں ہے، نہ ان کے لکھنے والے کا تذکرہ معلوم ہے اور نہ ان پر سند لکھی ہوئی ہے بلکہ وہ صرف ایک اصل کی بنیاد پر چھاپی گئی ہیں، مثلاً ''نوادر الاصول'' از: حکیم ترمذی ''دلائل النبوۃ'' از: ابونعیم اور ''وسیلة المتعبدین'' از: ابن ملا وغیرہ (دیکھے نمونہ نمبر 2)

(ب) اس نسخے پر ہجری تاریخ لکھی گئی ہے حالانکہ یہ معمول صرف دولت عثمانیہ کے آخر کا ہے کہ تاریخ ہجری لکھی جاتی تھی اور اس پر '' ہجرت نبویہ'' کا اضافہ ہوتا تھا، میں کہتا ہوں: یہ بھی [illegible] ہے اور اس اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ معترض کے پاس کوئی دلیل نہیں [illegible] واقع اس اعتراض کی تکذیب کرتا ہے، آپ مخطوطات کے ایسے نمونے دیکھ لیں جن میں ہجری تاریخ لکھی ہوئی ہے، مثلاً عمری کہتے ہیں: ۶۹۷ ہجرت طاہرہ نبویہ سے، وغیرہ

لک اور یہ انداز قدیم ہے جو چھٹی ساتویں، آٹھویں اور نوویں ہجری میں رائج تھا (دیکھئے
ونہ نمبر 3)

4) معترض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مصنف عبدالرزاق احکام کی کتاب ہے، اسے
کتاب الطہارت" سے شروع ہونا چاہیے، جب کہ یہ نسخہ جو آپ نے شائع کیا ہے اس کا
لا باب ہے: "باب فی تخلیق نور محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم"۔

اس اعتراض کے کئی جواب ہیں۔

لا جواب: ایسا تو واقع ہے، حدیث کی کسی کتاب کا احکام کے ساتھ مخصوص ہونے کا یہ
طلب نہیں ہے کہ اس میں احکام کے علاوہ نہ کوئی باب ہو اور نہ ہی کوئی حدیث ہو، یہ شرط
بت کرنے کے لئے آپ کو دلیل پیش کرنی چاہیے، آپ نے جو شرط ذکر کی ہے وہ
منفات کی شرائط میں سے نہیں ہے۔

دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ مثلاً آپ دیکھیں گے کہ اس میں صرف احکام بیان
ہیں کئے گئے بلکہ اس میں مغازی ہیں، سیر، مناقب، اوائل، زہد، صفة الجنة
یر ذلک، مصنف کتاب کی مرضی ہے کہ وہ جس باب سے چاہے اپنی کتاب کو شروع
رے، اسی طرح اسے تقدیم وتاخیر کا بھی حق پہنچتا ہے۔

سرا جواب: معترض نے "کشف الظنون" کی عبارت بطور حوالہ نقل کی ہے، یہ
ا جب علم کو معلوم ہے کہ اس کتاب کے مصنف کتابوں اور ان کے مؤلفین کے نام
ذکر کرتے ہیں، وہ یہ تفصیل بیان نہیں کرتے کہ اس کتاب میں کیا کچھ ہے، لہذا ان کا یہ کہنا
کہ یہ کتاب "مصنف عبدالرزاق" کتب فقہ کے انداز پر مرتب ہے، اس بات کی دلیل نہیں

ہے کہ اس میں دو مرے ابواب نہیں ہیں جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا، یہ بھی مع
ہے کہ کتب صحاح اور سنن فقہی ابواب کے طریقے پر مرتب کی گئی ہیں، اس کے باوجود
میں سے کوئی کتاب کتاب الایمان سے شروع ہو رہی ہے اور کوئی کتاب العلم وغیرہ سے
وہ حقیقت ہے جو بیان نہیں ہے۔

رہا معترض کا ابن اشبیلی کی فہرست (ص 129) سے حافظ ابو علی غسانی
بروایت ابن اعرابی از دبری مصنف کے ابواب کے نام نقل کرنا تو یہ اس کے لئے مفید
کیونکہ ابن خیر اشبیلی نے یہ کتاب ابواب کا تعارف اور ابتدا کا تذکرہ تو کجا، کتابو
تعارف کروانے کے لئے نہیں لکھی، اس کتاب میں ان کتابوں کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں
انہوں نے اپنے اساتذہ سے پڑھی تھیں اور جب انہوں نے ابن اعرابی کی عبارت نقل
جس کا تذکرہ معترض نے کیا ہے تو انہوں نے کہا:

(منه الطهارة والصلاة والزكاة ومنه العقيقة والأشربة......الخ)

پس ان کا یہ کہنا (مِنْهُ) یہ ان ابواب کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے ا
سے حاصل کئے تھے، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ مصنف کو کتاب الطہارت سے ش
کیا، آپ جس بات کا وثوق کئے بیٹھے ہیں اس کی طرف اس عبارت میں اشارہ بھی
ہے کیونکہ لفظ (منه) حرف تبعیض کا فائدہ دیتا ہے۔

(ج) مصنف کے نام سے کتابیں لکھنے والوں نے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ کسی معین
یا معین حدیث سے ابتدا کریں گے جیسے کہ انہوں نے یہ شرط بھی نہیں لگائی کہ وہ فلاں
معین احادیث یا معین ابواب نہیں لائیں گے، عظیم محدث سید محمد جعفر کتانی نے "الر

ستطرفة''میں ص 39 سے ص 41 تک بیان کیا ہے کہ

بعض کتب حدیث وہ ہیں جو فقہی ابواب کے انداز پر مرتب کی گئی ہیں،

وہ سنن اور ان احادیث پر مشتمل ہیں جو سنن کے ذیل میں آتی ہیں یا ان کا سنن

سے تعلق ہے، ایسی کتاب کو مصنف اور بعض کو جامع وغیرہ کہا جاتا ہے۔

علامہ کتانی نے فرمایا (وہ سنن پر مشتمل ہوتی ہیں یا جو سنن کے ذیل میں آتی ہیں

ن کے ساتھ متعلق ہیں) کیا انہوں نے شمائل نبویہ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے؟ یا یہ شرط لگائی ہے

مصنف کی ابتدا فلاں فلاں معین باب سے ہونی چاہیے؟ نہیں بلکہ انہوں نے اس

ملے کو مصنف کے اختیار اور اس کی رغبت کے سپرد کیا ہے۔

یہ ''بقی بن مخلد'' کا مصنف ہے اس میں انہوں نے کثرت سے صحابہ کرام

تابعین کے فتاویٰ بیان کئے ہیں، کیا انہوں نے اپنی کتاب ''التاریخ الکبیر'' کی ابتدا

نامی، اسم گرامی امام بخاری سے کی ہے، انہوں نے علماء کے عام طریقے کی مخالفت کی

، وہ حروف تہجی سے ابتدا کرتے ہیں اور ان میں سب سے پہلے الف ہے، کیا امام بخاری

نے خطا کی ہے؟ نہیں! وہ صاحب کتاب ہی نہیں صاحب اختیار بھی ہیں، اسی طرح

ن ابن ماجہ کی ابتدا امام ابن ماجہ نے تعظیم سنة الرسول (ﷺ) اور فضائل صحابہ

سے کی ہے، اسی طرح امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ بھی صاحب اختیار ہیں، اس لئے

تیار میں کوئی بخل نہیں ہونا چاہیے۔

د) کسی چیز پر حکم لگانا اس کے تصور کی فرع ہے، مصنف کی جزء مفقود تو معترض کے

دیک کالعدم ہے، اس لئے اگر وہ عقل مند ہے تو معدوم کے بارے میں کیسے استدلال

کرر ہا ہے۔

(5) معترض نے کہا ہے کہ میں نے تحقیق کی ابتدا میں اپنی سند مصنف عبدالرزاق تک ذکر کر کے قارئین کے وہم میں یہ بات ڈالنا چاہی ہے کہ یہ کتاب جو ہمارے سامنے ہے اس کی سند متصل ہے۔

جواب:

قارئین کرام! یہ اعتراض تحریف کی ایک قسم ہے، ہم نے مکمل مصنف عبدالرزاق کی سند بیان کی ہے صرف اس جزء مفقود کی نہیں، پھر کسی کتاب کی سند ذکر کرنے کا مقصد بیان کرنا نہیں ہوتا ہے کہ یہ کتاب صحیح ہے یا ضعیف یا موضوع ہے، ایسے اعتراض کی جگہ ''اخبار الحمقی والمغفلین ''(1) کی کتابیں ہیں۔

(6) معترض نے کہا ہے کہ اس حصے میں جو پہلی حدیث (حدیث نور) وارد ہوئی ہے الفاظ و معانی کے اعتبار سے رکیک اور ظاہر البطلان ہے۔

اس سلسلے میں دو باتیں قابل گزارش ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ کسی باطل یا موضوع حدیث یا اثر کے کسی کتاب میں موجود ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ کتاب جعلی اور جھوٹ کا پلندہ ہے ورنہ امام طبرانی کی ''معجم کبیر، صغیر، اور اوسط'' ابو نعیم اور دیلمی کی تصانیف سب جعلی اور من گھڑت شمار ہوں گی یہ معاملہ ہر اس شخص پر ظاہر ہے جو دو آنکھیں رکھتا ہے۔

میں نے جو حدیث پر حکم لگایا ہے اس پر معترض کا اعتراض کرنا اس بات کی دلیل

---

(1) ''احمقوں اور بیوقوفوں کی خبریں'' اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔

ہے کہ اسے اعتراض کا طریقہ بھی نہیں آتا، کیونکہ میں نے صرف سند کے صحیح ہونے پر کلام کیا ہے رہا متن تو میں نے اس پر گفتگو ہی نہیں کی اور بہت سے ائمہ مثلاً امام ہثیمی کا ''مجمع زوائد'' میں یہی طریقہ ہے، اسی طرح دوسرے کئی علماء کا طریقہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جزء مفقود جو ہم نے شائع کی ہے اس کی ابتدا میں جو حدیث رد ہے وہ اثر ہے اور حدیث مرفوع نہیں ہے، جیسے کہ معترض نے دعویٰ کیا ہے اور یہ مسئلہ دعلماء تو رہے اپنی جگہ ابتدائی طالب علم سے بھی مخفی نہیں ہے۔

7) معترض نے گمان کیا ہے کہ اس نسخے کی ترکیبیں عجمی اور آخری زمانے سے تعلق کھنے والی ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کے یہ متن جعلی ہیں، اس نے اپنے وے پر نو دلائل پیش کیے ہیں۔

قارئین کرام! ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

پہلی وجہ:

معترض کا کہنا ہے کہ لغتِ عرب میں (انورھم لونا) نہیں آیا، یہ خالص عجمی ظ ہے، مجھے قارئین کرام سے امید ہے کہ وہ لغت کی مشہور اور مستند کتاب ''لسان العرب'' کھول کر لفظ ''انور'' کی تفصیل دیکھیں گے کہ صاحب ''لسان عرب'' (242/5) نے اس لفظ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ کی صفت میں آیا ہے ''انور المتجرد'' یعنی روشن جسم والے، حسین اور روشن رنگ والے کو انور کہا جاتا ہے اور یہ نورٌ سے اسم تفصیل کا صیغہ ہے۔

صاحب "لسان العرب "(231/4) کلمہ زھر پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مردوں میں سے ازھر اس شخص کو کہتے ہیں جس کا رنگ خوب سفید، روشن اور حسین ہو، یہ بہترین سفیدی ہے، اس کی چمک دمک ہوتی ہے اور وہ شخص ستارے اور چراغ کی طرح جگمگاتا ہے، ابن الاعرابی کہتے ہیں: "النور الابیض "حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا رنگ چمک دار تھا، گچ کی طرح سفید نہیں تھا۔

امام بخاری اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث لائے ہیں، (جس کا ترجمہ یہ ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد شریف نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ ہی بہت چھوٹا تھا بلکہ درمیانہ تھا (اَزْھَرُ اللَّوْنِ) آپ کا رنگ چمک دار تھا، دیکھیے بخاری شریف 2/138 اور سیرت ابن کثیر ص 19۔

رہا معترض کا یہ کہنا کہ یہ کلمہ کتب شمائل میں وارد نہیں ہوا تو اس کا کتب شمائل میں وارد نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہیں ہے ورنہ ثقہ حضرات کی زیادات نہ پائی جائیں اور کتب غرائب وفرائد بھی اس فن میں نہ پائی جاتیں۔

دوسری وجہ:

معترض نے یہ دعوی کیا ہے کہ اس نسخے کی سندیں خود تیار کی گئی ہیں، اس پر اس نے حدیث نمبر 28 سے استدلال کیا ہے جس میں عبدالرزاق کہتے ہیں کہ مجھے زہری نے خبر دی، معترض کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے اس لئے کہ عبدالرزاق کی زہری سے ملاقات ہی

نہیں ہوئی ،اسی طرح حدیث نمبر 2 پیش کی ہے جس میں ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے حضرت براء صحابی نے خبر دی اور یہ جھوٹ ہے کیونکہ ابن جریج تبع تابعین میں سے ہیں۔

قارئین کرام ان دونوں اشکالوں کا جواب ملاحظہ ہو۔

پہلا اشکال:

معترض نے کہا ہے کہ عبدالرزاق کا ''اخبرنی الزهری'' کہنا جھوٹ ہے، میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں چونکہ نسخہ ایک ہے اس لئے ایک راوی کے نام کا چھوٹ جانا بعید نہیں ہے، جب معلوم ہے کہ عبدالرزاق ایک واسطے کے ذریعے زہری سے روایت کرتے ہیں تو بغیر کسی شک وشبہہ کے یہ احتمال ہے کہ کاتب سے ایک نام رہ گیا ہے اور (اخبرنی) کہنے والا عبدالرزاق کا استاد ہے۔

میں نے جزء مفقود کے مقدمہ میں کہا تھا کہ جب مجھے ایسی حدیث ملے گی جسے محدثین نے روایت نہیں کیا ہوگا تو میں اس کی سند کی تحقیق کروں گا اور اس پر حکم لگاؤں گا، چونکہ حدیث کو علماء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے، اس لئے میں نے اس کی سند کی پوری تحقیق نہیں کی بلکہ راویوں کا تذکرہ تحریر کر دیا ہے، سند کا مکمل مطالعہ اور اس کی تحقیق نہیں کی۔

دوسرا اشکال:

معترض نے کہا ہے (اخبرنی البراء) کہنا جھوٹ ہے۔

میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ گزشتہ اعتراض کے جواب کی طرح اس جگہ بھی ہم کہتے ہیں کہ یہ نسخہ نادر ہے اور اس میں شک نہیں کہ ابن جریج اور براء کے درمیان

واسطہ کاتب کی غلطی سے ساقط ہو گیا۔

میں نے مقدمہ میں جو پروگرام تحریر کیا تھا یہ حدیث اس کے تحت آتی ہے، میں نے لکھا تھا کہ ''جب حدیث کسی دوسرے محدث کی روایت کردہ مجھے نہیں ملے گی تو میں سند کی تحقیق کروں گا اور اس پر حکم لگاؤں گا'' اس حدیث کو علماء نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اس لئے میں نے اس کی سند کا مکمل مطالعہ نہیں کیا، بلکہ میں نے ابتدائی ترجمہ وتعارف قارئین کی آگاہی کے لئے بیان کر دیا، سند کا مکمل مطالعہ اور اس کی پوری تحقیق بیان نہیں کی۔

غور وفکر کے بعد غالب احتمال یہ معلوم ہوتا ہے کہ سند سے زہری کا نام ساقط ہو گیا ہے اور یہ روایت اس طور پر ہوگی کہ ابن جریج نے لکھی ہوئی حدیثیں پڑھی ہوں گی اور زہری نے انہیں اجازت دے دی ہوگی، میری نظر میں ایسی تصریحات موجود ہیں جو اس احتمال کی تائید کرتی ہیں۔

حافظ خطیب بغدادی نے'' کفایة ''ص 434 میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے:

یحی بن سعید قطان نے فرمایا: کہ ابن جریج سچے راوی تھے، جب وہ کہتے (حَدَّثَنِیْ) تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ انہوں نے وہ حدیث سنی ہے اور جب وہ کہتے (اخبرنا یا اخبرنی) تو اس کا مطلب قراءت ہوتا تھا اور جب وہ صرف (قال) کہتے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

صاحب الجرح والتعدیل (5/ ترجمہ 1687) کہتے ہیں:

ابوزرعہ فرماتے ہیں مجھے میرے بعض دوستوں نے قریش بن انس سے، انہوں نے ابن جریج سے روایت کیا کہ میں نے زہری سے کوئی چیز نہیں سنی مجھے زہری نے ایک کاپی لکھی ہوئی دی تھی، اسے میں نے نقل کرلیا تھا، اس کی انہوں نے مجھے اجازت دی تھی۔

صاحب المسند المستخرج علی مسلم (2/440) نے عبداللہ ابن محمد اور محمد بن ابراہیم کے حوالے سے ایک روایت بیان کی، اس میں آیا ہے:

ہمیں بیان کیا سعید بن یحیٰ اُموی نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بیان کیا کہ ابن جریج نے کہا: (اخبرنی الزھری) مجھے زہری نے خبر دی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے۔

اس روایت میں صاف آیا ہے کہ ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے زُہری نے خبر دی، واللہ تعالیٰ اعلم اور یہ معلوم ہے کہ زہری 51ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت براء 72ھ میں فوت ہوئے۔

قارئین کرام! میں نے یہ تصریحات آپ کے سامنے اس لئے پیش کی ہیں کہ آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوجائے کہ معترض کے پاس کوئی واضح اور مضبوط دلیل نہیں ہے جس کی بنا پر وہ پیش نظر نسخے (جزءمفقود) کو یقینی طور پر وضعی اور جعلی قرار دے سکے کیونکہ جس طرح ہم نے بیان کیا ہے احتمال قائم ہے اور کسی چیز کو موضوع قرار دینے کے لئے کسی شک وشبے کے بغیر یقین کی ضرورت ہوتی ہے، جب کسی چیز میں احتمال پایا جائے تو اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

تیسری وجہ:

معترض کا کہنا ہے کہ حدیث نمبر 9 میں ہے (سالم بن عبداللہ عن ام معبد) یہ سند خود ساختہ ہے کیونکہ سالم کی ام معبد سے بالکل ملاقات نہیں ہوئی، یہ بات تو حدیث کی اکثر بیشتر کتابوں میں موجود ہے، کتب روایت مرسل اور منقطع روایات سے بھری پڑی ہیں، اس کے باوجود کسی نے ان کی روایت سے انکار نہیں کیا اور نہ ہی ان کے مصنفین کو جعل ساز کہا گیا ہے، بلکہ مرسل اور منقطع کو روایت کیا گیا ہے، پیش نظر حدیث میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ سالم بن عبداللہ نے سماع کی تصریح نہیں کی، بے شک اس سند میں انقطاع ہے لیکن معترض کا اس بنا پر نسخے کو ردّ کر دینا درست نہیں ہے، اس طرح تو سنت کی اکثر کتابیں ناقابل اعتبار ٹھہریں گی، اس بات کے قائل کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

چوتھی وجہ:

معترض نے اللہ کے نیک بندوں صوفیہ کرام مثلاً امام جزولی پر حملہ کیا ہے اور مصنف عبدالرزاق کی جزء مفقود کے کاتب پر یہ تہمت لگائی ہے کہ وہ صوفیہ کے اوراد سے متاثر ہے اور اس نے امام جزولی کی کتاب دلائل الخیرات سے احادیث لی ہیں، جیسے کہ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ جلسہ تشہد (التحیات) کے علاوہ صحابہ کرام اور صدر اول کے لوگوں سے لفظ (الآل) کا استعمال نادر اور غریب ہے۔

قارئین کرام! اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ معترض کا اعتراض باطل اور کھلی ہوئی جہالت ہے کیونکہ اس کا گمان ہے کہ صحابہ کرام نے نماز کے باہر نبی اکرم ﷺ کی آل پاک پر درود نہیں بھیجا۔

حضرات قارئین کرام! سنئے امام بخاری (3 / 1233) حضرت عبدالرحمن بن ابی

لیلی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ مجھے ملے اور فرمایا: کیا میں تمہیں اس حدیث کا تحفہ پیش نہ کروں جو میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سنی ہے، میں نے عرض کیا ضرور ہدیہ عنایت فرمائیں، کہنے لگے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ پر یعنی آپ کے اہل بیت پر درود کیسے بھیجا جائے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلام بھیجنے کا طریقہ تو سکھا دیا ہے، فرمایا: یوں کہو:

اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیّت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید ، اللّٰم بار ك علی محمد وعلی آل محمد کمابارکت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انك حمید مجید۔

یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم اور دیگر کتب میں متعدد روایات کے ساتھ نماز کی قید کے بغیر آئی ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ معترض پر اس اشکال کی وحی کہاں سے نازل ہوئی؟

امام ابن بشکوال نے اپنی کتاب (القربة الی رب العالمین بالصلاة علی محمد سید المرسلین) میں آل پاک پر درود شریف بھیجنے کے بارے میں متعدد روایات بیان کی ہیں ان میں سے حدیث نمبر 12 میں ہے: صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) سلام کا تو ہمیں علم ہو گیا، صلاۃ کس طرح پیش کریں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام ان سابقہ اور لاحقہ اعمال کو دامن رحمت سے ڈھانپ دیا ہے جن پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے تھے، فرمایا: یوں کہو:

اللّٰهم صل على محمد كما صلّيت على ابراهيم وبارك على محمد كما باركت على آل ابراهيم إنك حميد مجيد۔

اورحدیث نمبر 14 میں ہے یوں کہو:

اللهم اجعل صلاتك وبركاتك على محمد وآل محمد .... الحديث)

اے اللہ! اپنی کامل رحمت اور برکتیں حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور آپ کی آل پر نازل فرما۔

ان دونوں حدیثوں کی سند صحیح ہے۔

رہا معترض کا یہ اعتراض کہ راوی صوفیہ کے اوراد سے متاثر ہوئے ہیں تو ابن بشکوال کی کتاب میں حدیث نمبر 87 دیکھیں، جس میں امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درود شریف بیان کیا گیا ہے، اس میں ہے:

اے زمینوں کا فرش بچھانے والے! آسمانوں کی چھت بنانے والے! بد بخت اور نیک بخت دلوں کو ان کی فطرت پر پابند فرمانے والے! تو اپنی افضل ترین رحمتیں، روز افزوں برکتیں اور کمال مہربانی اپنے عبد خاص اور رسول مکرم ﷺ پر نازل فرما جو گزشتہ انبیاء کے ختم کرنے والے، دین حق کا پوری قوت سے اعلان فرمانے والے اور باطل کے لشکروں کا خاتمہ فرمانے والے، جس طرح انہیں حکم دیا گیا اسی طرح تیرے حکم سے تیری فرمانبرداری کے لئے تیار ہوئے، تیری رضا کے حصول میں کوشش کرنے والے، آپ نے نہ تو کسی قوم کے

مقابل پسپائی اختیار کی اور نہ ہی عزم میں کمزوری دکھائی، تیرے واجب حق کی پاسداری کرنے والے اور تیرے عہد کے محافظ (الحدیث)

اس کے بعد آپ کیا کہیں گے؟ کیا یہ الفاظ بھی صوفیانہ ہیں اور دلائل الخیرات سے منقول ہیں؟ یا یہ محض دعوے ہیں جنہیں معترض نے بکھیر دیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے اور اسے بصیرت عطا فرمائے۔

اسی طرح اس جیسے کلمات امام علامہ محدث ملاّ علی قاری نے (**الحزب الاعظم والورد الافخم فی اذکار ودعوات سید الوجود** (ﷺ) میں بیان کئے ہیں، انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کئے جانے والے درود شریف کے صیغے مرفوع روایات اور صحابہ وتابعین وغیرہم کے حوالے سے نقل کئے ہیں اگر معترض ان صیغوں کو دیکھ لے تو انہیں بھی صوفیہ کے اوراد میں سے شمار کرے گا حالانکہ وہ صیغے امام بیہقی، طبرانی، ابن ابی عاصم، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ اور طبرانی وغیرہم ائمہ حدیث نے روایت کئے ہیں۔

سیادت (حضور ﷺ کا اسم گرامی ذکر کرتے ہوئے سیدنا کہنے) کے حوالے سے معترض کو یہ گمان ہوا کہ یہ مسئلہ سلف صالحین کے ہاں معروف نہیں تھا لیکن قارئین کرام یہ جان لیں کہ معترض ﷺ کا یہ گمان بالکل افتراء ہے، امام سخاوی نے "القول البدیع" کے صفحہ نمبر 126 میں ایک حدیث ذکر کی ہے جسے کتاب کے محقق الشیخ عوامہ نے حسن قرار دیا ہے، امام سخاوی نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

جب تم مجھ پر درود بھیجو تو اچھے طریقے سے بھیجا کرو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ شاید

وہ میرے سامنے پیش کیا جائے ،تم یوں درود پڑھا کرو: اے اللہ تو اپنی رحمتیں اور برکتیں (علی سید المرسلین وامام المتقین) تمام رسولوں کے سردار، متقین کے امام اور خاتم النبیین پر نازل فرما، جو تیرے عبد مکرم اور رسول گرامی ہیں، خیر کے امور میں امامت کے مرتبہ پر فائز ہیں، خیر کی طرف لوگوں کی قیادت کرنے والے ہیں اور سراپا رحمت رسول ہیں، اے اللہ انہیں مقام محمود پر یوں فائز فرما کہ اگلے پچھلے ان پر رشک کریں۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور قاضی اسماعیل نے (صفحہ 58) اور طبرانی نے ''المعجم الکبیر ''(9/115) میں اور امام بیہقی نے ''الدعوات ''(صفحہ 57) میں روایت کیا جبکہ دیلمی نے ''مسند الفردوس ''میں اور ابن ابی عاصم نے حدیث تشہد میں اسی طرح روایت کیا، کیا معترض کے تہمت آمیز گمانوں کے باعث (الجزء المفقود کا) نسخہ غیر معتبر ہو جائے گا؟

پانچواں اشکال:

معترض کو یہ گمان ہوا ہے کہ میں علم روایت حدیث سے نابلد ہوں اور اندھا دھند چلتا ہوں، معترض نے اپنی بدگمانی کی بنیاد میری اس بات پر رکھی: ''ابن ابی زائدہ یحی ہی ہے'' اور وہ اس بات کا دعویدار ہے کہ اس نے میری غلطی یوں درست کی ہے کہ ابن ابی زائدہ یحی نہیں بلکہ ان کے والد زکریا ہیں، کیونکہ زکریا معمر کے شیوخ میں سے ہیں، قارئین کرام آپ عنقریب اندازہ لگالیں گے کہ معترض نے مجھ پر تہمت لگائی ہے، اس کا زیادہ حقدار کون ہے؟

قارئین کرام! یحی کی ولادت 121ھ میں اور وفات 184ھ میں ہوئی، اس

رح یحی معمر کے معاصر اور ان کا زمانہ پانے والے ہوئے ،اس طرح معمر کا یحی سے
روایت کرنا بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا ہے اور اگر ہم یہ مان لیں کہ ابن ابی زائدہ
کریا ہیں تب بھی کوئی حرج نہیں ،معاملہ صاف ظاہر ہے۔

چھٹا اشکال:

معترض کو یہ گمان ہوا ہے کہ معمر نے ابن جریج سے روایت نہیں کی جیسے کہ حدیث
بر 10 میں روایت موجود ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کا یہ گمان کھلا افتراء ہے کیونکہ امام عبدالرزاق نے
پنی تفسیر (3/13) میں معمر سے ایک روایت یوں بیان کی ہے:

امام عبدالرزاق کہتے ہیں :ہمیں معمر نے خبر دی ،انہوں نے ابن جریج سے
روایت کی ،انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی اور انہوں نے حضرت سیدہ عائشہ سے
روایت کی......(الخ) قارئین کرام معترض کی جہالت اور افتراء پردازی ملاحظہ فرمالیں۔

ساتواں اشکال:

معترض کو یہ گمان ہوا ہے کہ معمر کی سالم سے اور سالم کی حضرت ابو ہریرہ سے
روایت میں دو جعلسازیاں ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کو گمان ہوا ہے کہ ہمارے تحقیق شدہ نسخے میں معمر
کی سالم سے روایت من گھڑت ہے اور حقیقت میں معمر کی سالم سے کوئی روایت نہیں
ہے،لیکن یہ گمان بڑی صراحت کے ساتھ باطل ہے۔

مجھے معترض پر حیرت ہوتی ہے جب وہ اپنے لئے وہ کچھ جائز ثابت کر لیتا ہے جو

کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں سمجھتا اس نے اسانید کی وضع میں ان کی تلفیق کا ذکر کیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ علل الحدیث کی کتب کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس نے ابن ابی حاتم کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ عکرمہ کی حضرت انس سے روایت نہیں اور حسن بصری کی سہل بن حنظلیہ سے نہیں اور اسی طرح زہری کی ابن حازم سے نہیں اور معترض اپنی اس بات سے گویا ایسا نکتہ پیش کر رہا ہے جس کا دروازہ بند کیا جا چکا ہے جیسے کہ اس زمانے میں اصول روایت حدیث کے ماہرین موجود نہیں ہیں۔

میں معترض سے سوال کرتا ہوں کہ آپ نے معمر کی سالم سے اور سالم کی حضرت ابو ہریرہ سے روایت میں دو جعلسازیوں کی نشاندہی کی ہے، کیا اس امر پر متقدمین اور متاخرین حفاظ بھی مطلع ہوئے ہیں یا وہ سب بے خبر رہے اور آپ نے اس امر کا انکشاف کیا ہے؟ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ اصول روایت حدیث میں قدم آگے بڑھانا کچھ ایسا بھی آسان نہیں ہے اور معترض نے حدیث نمبر 20 کے تحت متابعات گھڑنے کا الزام لگاتے ہوئے ہمیں تنقید کا نشانہ بنایا جبکہ ڈاکٹر محمود سعید ممدوح کو اشارۃً چوٹ کرتے ہوئے کہا زہری کی متابعت سے متقدمین اور متاخرین بے خبر رہے اور ہم نے اسے دریافت کیا، حالانکہ اس امر کا دروازہ قیامت کے آنے تک بند نہیں ہے، قارئین کرام! آپ دیکھیں معترض اپنے اقوال میں کس قدر تناقض کا شکار ہے؟ اس پر عربی کی یہ مثال صادق آتی ہے ''رمتنی بدائها وانسلت'' وہ اپنی بیماری کی تہمت مجھ پر لگا کر خود چلتی بنی۔

ابن عبدالبر نے تمہید (11 / 111) میں اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ہمیں خلف بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان

کی، انہوں نے کہا ہمیں احمد بن خالد نے حدیث بیان کی، احمد نے کہا ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، اسحاق نے کہا ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے معمر سے انہوں نے سالم سے انہوں نے ابن عمر سے روایت کی، الخ۔

اور ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے المحلی (10/8) کی کتاب "النذور" میں اہل علم کا ایک قول ذکر کرتے ہوئے کہا: اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنا سارا مال مسکینوں میں تقسیم کردے گا تو اس پر لازم ہے کہ سارا مال مسکینوں میں تقسیم کرے، ان کا یہ موقف پایۂ صحت کو پہنچ چکا ہے، امام عبدالرزاق کی معمر سے ان کی سالم بن عبداللہ بن عمر سے ان کی اپنے والد سے روایت کی بنا پر اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہم نے مذکورہ بالا حدیث کے ضمن میں خود اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ معمر کی سالم سے روایت میں انقطاع موجود ہے۔

اور معترض کا یہ گمان کرنا کہ سالم کی حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی سند من گھڑت ہے تو یہ گمان بھی باطل ہے، قارئین کرام مسلم کی وہ روایت ملاحظہ فرمائیں جسے حضرت امام نے آخری زمانے میں علم کے اٹھائے جانے، جہالت اور فتنوں کے ظاہر ہونے کے عنوان سے قائم کیے گئے باب میں ذکر کیا ہے (4/2057) آپ فرماتے ہیں: ہمیں ابن نمیر، ابوکریب اور عمرو الناقد نے حدیث بیان کی، وہ سب کہتے ہیں ہمیں اسحاق بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے حنظلہ سے، انہوں نے سالم سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی، دیکھیے: تہذیب الکمال (10/145)

اللہ تعالیٰ امام مسلم پر رحم فرمائے آپ نے سالم کی حضرت ابو ہریرہ سے روایت

والی حدیث آخر زمانے میں علم کے اٹھائے جانے، جہالت اور فتنوں کے ظاہر ہونے کے عنوان سے قائم کئے گئے باب میں ذکر کی ہے اور یہ امام مسلم کی کرامت ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند اور باب کے عنوان سے یکجا ہونا بہت معنی خیز ہے، اس بات نے واضح کر دیا کہ سالم کی حضرت ابو ہریرہ سے روایت پر اعتراض کرنے والا اور اس کے ہم خیال فتنہ پرور اور پوری طرح جہالت کی آماجگاہ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے محفوظ رکھے جس میں اس نے اپنی بہت سی مخلوق کو مبتلا کیا ہوا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بات پر سجدۂ شکر بجا لاتا ہوں کہ اس نے ہمیں اپنے فضل کا لباس پہنایا اور بعض دوسروں کو اپنے عدل کا لباس پہنایا۔

آٹھواں اشکال:

معترض کو 36 نمبر حدیث کے تحت گمان ہوا ہے کہ معمر کے شیوخ میں اللیث کا نام شامل نہیں اور یہ بات معترض کی تحریف امت کو دھوکہ دہی اور اس علمی بددیانتی پر دلالت کرتی ہے جس کی تہمت وہ ہم پر لگا رہا ہے۔

جواب:

معترض اپنے اس کلام کے باعث غلط فہمی کے گڑھے میں گر پڑا ہے، جب اس نے غیر کا کلام نقل کرتے ہوئے تحریف کا ارتکاب کرتے ہوئے کہا: اللیث معمر کے شیوخ میں سے نہیں جبکہ ہم نے اپنی تحقیق میں عبدالرزاق کی معمر سے اور ان کی اللیث سے روایت کا ذکر کیا ہے، اللیث سے نہیں، اگر معترض اہل علم میں سے ہوتا تو اس نے جو کچھ نقل کیا ہے اسے اس میں غور و فکر کی توفیق بھی ملتی اس لئے کہ لیث معمر کے شیخ ہیں اور

مصنف نے ان سے روایت کی ہے، آپ ہماری تحقیق میں لیث کا ترجمہ صفحہ نمبر 92 پر ملاحظہ فرمالیں اور مزی کی کتاب "تهذيب الكمال" (24/279-288) کو بھی ملاحظہ فرمالیں، آپ یہاں لیث کے حالات ویسے ہی پائیں گے جیسے ہم نے ذکر کئے ہیں لیکن ظالم کے ہاتھ میں کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

سند کے راویوں کے حالات کا یہاں ہماری طرف سے ایک اضافی فائدہ تصور کریں ورنہ یہ حدیث ہماری اس شرط پر پوری نہیں اترتی جسے ہم نے مقدمہ میں یوں ذکر کیا ہے:
"اگر حدیث کی کسی نے تخریج نہیں کی ہوگی تو ہم سند کو دیکھیں گے اور اس پر حکم لگائیں گے"
اور یہ حدیث ہماری اس شرط پر پوری نہیں اترتی کیونکہ ابن ابی شیبہ نے اس کی تخریج کی ہوئی ہے۔

نواں اشکال:

حدیث نمبر 20 کے بارے میں معترض نے گمان کیا کہ اس حدیث کی سند میں پائی جانے والی متابعت پر "الجزء المفقود" کا محقق ہی مطلع ہوا ہے اور قبل ازیں اس پر حفاظ حدیث مطلع نہیں ہوئے اور معترض نے اس بات کو حسب عادت "جزء مفقود" کے درست نہ ہونے کی دلیل بنایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کے پاس اپنے اعتراض پر کوئی دلیل نہیں، یہ درست ہے کہ حدیث نمبر 20 میں کچھ کمی تھی اور اس کا بیان کرنا علمی دیانت کا تقاضا تھا لیکن یہ بات اس نسخے کی درستی میں طعن وتشنیع اور شک کا باعث نہیں ہے، متن میں سند اس طرح تھی: عبدالرزاق معمر سے، وہ زہری سے، وہ ابوسعید سے روایت کرتے ہیں، کتابت کرنے

والے سے ابو سعید لکھتے ہوئے لفظ ابن رہ گیا تھا اور وہ ربیع تھے یا سعید (اب سند میں انقطاع کا شبہ باقی نہیں رہتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ) ربیع کے والد عبدالرحمن امام زہری کے معاصر تھے، کیونکہ زہری 125ھ میں فوت ہوئے جبکہ عبدالرحمن کا 112ھ میں انتقال ہوا، اس کا واضح مطلب ہے کہ زہری نے عبدالرحمن کو پایا تھا اور ان دونوں میں معاصرت موجود تھی، یہ بات ایک حقیقت ہے۔

لیکن معترض کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ وہ اگر ''تھذیب الکمال'' میں کسی راوی کا شمار تلامذہ یا اساتذہ میں نہیں پاتا تو وہ اسے شمار ہی نہیں کرتا اور یہ ایسا اسلوب ہے جو روایت حدیث کے ماہرین کے ہاں معروف نہیں ہے، اس لئے کہ امام مزی نے ''تہذیب الکمال'' میں راویوں اور مروی عنہم (جن سے روایت کی گئی) کا مکمل احاطہ نہیں کیا اور عادۃً احاطہ کرنا بھی مشکل ہے، اب اگر کوئی محقق کسی راوی کا تذکرہ کسی محدث کے راویوں یا ان کے اساتذہ میں نہیں پاتا تو وہ مروی عنہ کی وفات اور راوی ولادت کی تاریخ تلاش کرتا ہے، حفاظ الحدیث نے اس منہج اور اسلوب کی تصریح کی ہے جیسے خطیب بغدادی اور ابن صلاح وغیرہما، پھر ''الاکمال'' کے مصنف امام مزی نے صحاح ستہ کے راویوں کے حالات بیان کیے ہیں۔

اس تناظر میں معترض کی سینہ زوری اور اس کا یہ گمان کرنا کہ محقق کو متابعات کا پتہ چل گیا اور حفاظ حدیث کو ان کا علم نہیں ہو سکا یہ علم پر اجارہ داری قائم کرنے کی مثال ہے، حافظ زبیری کئی ایسی متابعات پر مطلع ہوئے جن پر حفاظ حدیث مطلع نہیں ہوئے، یہی حال ان سے پہلے علماء کا ہے اور غماری حضرات جیسے کہ محدث جلیل علامہ احمد بن الصدیق

ایسے شواہد اور متابعات پر مطلع ہوئے جن پر ان سے پہلے کے علماء نے اطلاع نہیں پائی تھی،
اے معترض! کیا آپ تمام پر وہی الزام لگائیں گے جو آپ نے مجھ پر اور عظیم محدث الشیخ
محمود سعید ممدوح پر لگایا ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے اور ہمارا نسخہ جیسے کہ ہم نے ذکر کیا نادر نسخہ
ہے اور اس میں کسی لفظ کا بھولے سے رہ جانا ممکن ہے۔

مجھے معترض پر تعجب ہے کہ وہ مجھ پر موقع بے موقع اعتراض کرتے ہوئے فاضل
محدث محمود سعید ممدوح کو بھی نشانہ بناتا ہے اور اس نے مجھے جاہل سمجھ رکھا ہے جیسے کہ
''الجزء المفقود'' کی تحقیق میری نہیں شیخ محمود سعید ممدوح کی ہے، حالانکہ فاضل
موصوف کا کتاب کی تحقیق یا توثیق میں کوئی عمل دخل نہیں اور ان سے تو اسی طرح مشورہ کیا
گیا تھا جیسے دیگر اہل علم سے مشورہ کیا گیا اور پھر میں نے ان سے مقدمہ لکھنے کی درخواست
کی جسے انہوں نے قبول فرمایا، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

دسواں اشکال:

معترض کا یہ دعوی کرنا کہ ''الجزء المفقود'' میں بہت سی احادیث مصنف ابن
ابی شیبہ سے نقل کی گئی ہیں تو خدا کی قسم یہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ بات ہے اور ایسی بات تو کسی
بھی متابعت تامہ کے بارے میں کہی جاسکتی ہے کہ یہ فلاں کتاب سے نقل کی گئی ہے، صحیح
بات تو یہ ہے کہ ''الجزء المفقود'' میں ایسی احادیث کا پایا جانا جن کی معتبر متابعات
موجود ہیں ہمارے پیش نظر مخطوط کے معتبر ہونے کی دلیل ہے لیکن معترض خوبی کو خامی میں
بدل کر اپنا وقار کم کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل شاعر کے اس قول کے مطابق ہے:

وعین الرضا عن کل عیب کلیلة ولکن عین السخط تبدی المساویا

رضا مندی کی نظر ہر عیب سے بند ہوتی ہے، لیکن ناراضگی کی نظر عیوب ہی ظاہر کرتی ہے۔

نواں اشکال:

معترض کا یہ دعوی کرنا کہ "الجزء المفقود" کی اسانید خود ساختہ ہیں اور اس نے اپنے دعوے پر یہ دلیل دی ہے کہ "مصنف عبدالرزاق کا یہ جز امام مالک، زہری، معمر اور ان جیسے قرون اولیٰ کے ان ائمہ حدیث کے ذریعے تیار کی گئی خود ساختہ اسانید پر مبنی ہے جن ائمہ کا مرتبہ و مقام ایسا ہے کہ ان کی روایت کردہ احادیث کو جمع کیا جائے اور علم کے طالب انہیں یاد کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں"۔

قارئین کرام! میں آپ سے کہتا ہوں کہ: علماء نے صحیح حدیث کی تعریف یوں کی ہے: وہ حدیث جس کی سند متصل ہو اور اسے عادل اور ضابط راویوں نے اپنے جیسے راویوں سے آخر تک شذوذ اور علت کے بغیر روایت کیا ہو اور انہوں نے یہ شرط عائد نہیں کی کہ وہ حدیث فرد مطلق یا فرد نسبی (۱) نہ ہو، محدثین نے یہ نہیں کہا کہ ذمہ دار حضرات کی روایات کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک ان کے متابع روایات نہیں مل جاتیں، انہوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ ہر فرد حدیث ضعیف ہے، کتب صحاح ائمہ کی روایت کردہ افراد مطلقہ اور نسبیہ سے بھری ہوئی ہیں اور حفاظ کا ان کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے، ہاں! جب مشہور سند کے ساتھ کوئی مجہول، ضعیف یا بے کار راوی منفرد ہو اور متن حدیث منکر اور نا قابل قبول ہو تو

(۱) حدیث کا راوی اگر ایک ہو تو اسے غریب اور فرد کہا جاتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں کسی ایک جگہ راوی ایک ہو اسے فرد نسبی کہتے ہیں اور اگر ہر جگہ صرف ایک راوی ہو تو اسے فرد مطلق کہتے ہیں۔ ۱۲ مقدمہ مشکوٰۃ شریف)

بے شک یہ موضوع ہونے کی علامت ہے اور الحمد للہ! ہمارے نسخے میں یہ بات موجود نہیں ہے۔

دسواں اشکال:

حدیث جابر کے موضوع ہونے اور اس کے الفاظ کے خود ساختہ ہونے کی جو بات بعض شدت پسند لوگوں نے کی ہے اور ہم پر بعض غماری سادات کے حدیث جابر پر حکم کی آڑ لے کر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے: حدیث جابر کے بارے میں بعض غماری سادات کی رائے ان کی ذاتی رائے ہے اور ہماری ایک الگ رائے اور ہمارے ساتھ بعض غماری، کتانی سادات اور جمہور ائمہ ہیں جو ہماری رائے کی تائید فرماتے ہیں جیسے شیخ اکبر محی الدین بن عربی اور ابن سبع، اور ابن جمرہ اور شیخ زروق اور امام قسطلانی اور ہیتمی اور قیصری اور عقیلی اور مناوی اور قرافی وغیرہم جو کثیر تعداد میں ہیں۔

حدیث جابر کے بارے میں معترض کا گمان ہے کہ اس حدیث کو شیخ اکبر کی کتب میں داخل کیا گیا ہے حالانکہ معترض حضرت شیخ اکبر کو معتبر نہیں جانتا اور غماری سادات نے شیخ اکبر کی جو توثیق کی ہے معترض کو اس پر بھی اعتراض ہے، اس کا حدیث جابر کے بارے میں مذکورہ بالا اعتراض محض تہمت اور افتراء ہے، کیونکہ شیخ اکبر کی اکثر تصانیف حدیث جابر اور آپ کے قلم سے اس کی تشریح سے آراستہ ہیں جیسا کہ ان کی درج ذیل کتب میں یہ حقیقت عیاں ہے "الوعاء المختوم على السر المكتوم" اور "المملكة الإلهية" اور "كتاب الدوائر" اور "تلقيح الفهوم" اور "عنقاء المغرب"

میں نے اپنی کتاب "**نور البدایات**" میں حدیث عبدالرزاق کی صحت دیگر

حضرات کی روایت سے بیان کی ہے، شیخ حلوانی نے اپنی کتاب "مواكب الربيع" میں ذکر کیا ہے کہ امام بیہقی نے اپنی کتاب "دلائل النبوة" میں اور امام حاکم نے اپنی "مستدرك" میں حدیث نور دیگر الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں: یا عمر أتدری من أنا؟ اس حدیث کو قطبی نے بھی اپنے فوائد میں ذکر کیا ہے۔

ان دونوں روایتوں پر براہ راست ہمارے مطلع نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ روایتیں ہی موجود نہیں ہیں کیونکہ امام بیہقی کی "دلائل النبوة" ناقص چھپی ہے اور اسی طرح "مستدرك" اے معترض! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اہل علم کا کلام سنیں، یہ علامہ اور محدث محمد بن جعفر الکتانی ہیں، آپ اپنی کتاب "جلاء القلوب من الأصداء الغينية" جو ابھی حال ہی میں طبع ہوئی ہے اس میں حدیث جابر اور قطبی کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: تقریباً سب باعمل علماء، سراپا اخلاص صوفیہ اور کامران وکامیاب اولیاء نے حدیث جابر کو پورے یقین کے ساتھ کسی تردد اور بحث کے بغیر قبول کیا اور اسے تسلیم کرتے ہوئے اپنے مشائخ سے لیا ہے پھر اپنی کتابوں اور تحریروں میں ذکر کیا ہے اور جب کوئی روایت قبولیت کے ساتھ لے لی جائے (تلقی بالقبول) تو اس پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے اگر چہ اس کی سند اور ظاہری دلیل نہ ہو کیونکہ اگر جلیل القدر علماء، صوفیہ اور اولیاء نے کسی روایت کو قبول کیا ہے تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ وہ حضرات اس روایت کے دیگر شواہد پر مطلع ہوئے ہوں گے اگر چہ وہ شواہد ہم تک نہیں پہنچے اور نہ ہی ہمیں ان کا علم حاصل ہوا۔ الخ (خ اپ 243/2)، پھر انہوں نے حدیث جابر کی تائید کرنے والے کچھ شواہد ذکر کئے، حدیث جابر کی تائید کرنے والوں میں خاص طور پر

بل ذکر امام ومحدث خرگوشی ، دیلمی اور علماء کی ایک بڑی تعداد ہے جن کا پہلے ذکر ہو

چکا ہے۔

ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا ہے کہ جب اہل علم کسی مسئلے میں اختلاف کریں تو امت کو اس مسئلے میں وسعت اور اختیار ہے اور ہر ایک کے بارے میں اچھا گمان کیا جائے گا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''کیا ہی اچھا تھا اگر صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا'' حافظ ابن حجر عسقلانی کا ایک قول امام زبیدی نے نقل فرمایا: کسی چیز کا نہ ہونا اس کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا اور تھوڑے سے تنزل کے ساتھ یوں بھی کہا جا سکتا ہے: کسی چیز کا ثبوت نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ ثبوت سے مراد صحت ہو ایسی صورت میں حکم کی نفی نہیں ہوگی۔ دیکھیے: (تخریج احادیث احیاء العلوم 1/296)۔

تیرہواں اشکال:

امام قسطلانی کی حدیث جابر کی روایت پر معترض کا دوسرا اعتراض جس کا مفہوم یہ ہے کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا کیے گئے اور اس کا یہ گمان کرنا کہ حدیث جابر قرآنی آیات کے مخالف ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا:

ثم استوی إلی السماء وھی دخان فقال لھا و للأرض ائتیا طوعا أوکرھا قالتا اتینا طائعین۔(سورۃ فصلت: 41/11)

پھر آسمان کی طرف ارادہ فرمایا جب کہ وہ دھواں تھا، اسے اور زمین کو حکم دیا کہ آؤ اپنی خوشی سے یا مجبوری سے، انہوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

اس کا جواب: پہلے تو میں معترض کا شکر گزار ہوں کہ اس نے ادب کی راہ کو اختیار کیا ہے، لیکن میں اسے یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ اسے عقل رکھنے والے لوگوں سے گفتگو کا پوری طرح ادراک ہونا چاہیے وہ کسی دیہاتی یا ایسے فرد سے مخاطب نہیں جو علم کے میدان میں نو وارد ہے بلکہ وہ ایسے شخص سے مخاطب ہے جس کے گھرانے کے لئے تقوی اور علم کی گواہی دی گئی ہے، اس کے گھرانے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی خوبیاں جمع ہوئی ہیں جو دیگر بہت سے گھرانوں میں نہیں ہیں، میری ماں کی طرف سے میرے رشتے دار حنبلی ہیں اور میرے والد کی طرف سے میرے رشتہ دار مالکی مذہب کے ہیں، ان میں سے اکثر کتاب اللہ کے حافظ ہیں، میں نے ان کے سائے میں فضیلت کی تربیت پائی ہے، میں نے اپنے والد کے ماموں علامہ، فقیہ، محدث الشیخ مبارک بن علی شامسی سے تربیت پائی اور ہمارے بزرگ اشراف، انصار اور حِمیَر میں سے ہیں، اور میں اُن مولّدین میں سے نہیں جن سے سلف صالحین نے بچنے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ فرما رہے تھے:

''لم یزل أمر بنی اسرائیل معتدلا حتی نشأ فیھم المولدون ابناء سبایا الأمم فقالوا بالرأی فضلّوا و أضلّوا''

بنی اسرائیل اعتدال کی راہ پر گامزن رہے یہاں تک کہ ان میں مولّدین یعنی مفتوحہ قوموں کی لونڈیوں سے اولاد پیدا ہوئی اور لونڈیوں کی اولاد نے اپنی خواہش نفس سے فتوے دئے، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نہ تو منافق ہوں اور نہ ہی دسترخوانوں پر ٹوٹ پڑنے والوں میں سے ہوں، جیسے کہ اس معترض کو گمان ہوا اور اس نے قرآن پاک کی آیت میں جس تعارض کا گمان کیا ہے وہ غلط ہے، اور میں معترض کے لئے خود ہی عذر پیش کرتا ہوں کہ اس نے جو کچھ لکھا شاید جلدی میں لکھ دیا لیکن ایسی اہم باتیں جیسے کہ معترض کو بھی علم ہے جلدی میں نہیں لکھی جاتیں، لیکن تم نے ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ارادہ فرمالیا، اللہ تعالیٰ مصنف عبدالرزاق کے نودریافت حصے کے محقق عیسیٰ بن عبداللہ کی مدد فرمائے جس پر معترض کی طرف سے تحقیق میں جلد بازی کی تہمت لگائی گئی ہے اور میں نہیں جانتا کہ جلد باز کون ہے کیا وہ شخص جس کے سامنے قرآن کریم اور تفاسیر ہیں اور اس کی رائے کی تائید کر رہی ہیں یا کوئی اور؟

اور سنو! یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کہہ رہی ہے:

أأنتم أشد خلقا أم السماء بناها، رفع سمكها فسوّاها، واغطش ليلها وأخرج ضحاها، والارض بعد ذلك دحاها (سورة النازعات 79/27-30).

کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کو؟ اللہ نے اسے بنایا، اس کی چھت کو بلند کیا پھر اسے ہموار کیا، اس کی رات تاریک کردی اور اس کے دن کی روشنی کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین پھیلائی۔

امام فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں واحدی اور مقاتل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: آسمان زمین کے پھیلانے سے پہلے پیدا کیا گیا، جہاں تک پھیلانے کا تعلق

ہے زمین اس سے پہلے پھیلائی گئی۔

علامہ سید محمود آلوسی نے اس مسئلے کی تفصیل ''روح المعانی ''(108/24) میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر کرتے ہوئے یوں بیان کی ہے۔

ثم استوی إلی السماء وھی دخان ۔(سورۃ فصلت: 11/41)
پھر آسمان کی طرف ارادہ فرمایا جب کہ وہ دھواں تھا۔

علامہ آلوسی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نورانی جوہر کی ایجاد پر دلالت کرتا ہے، نیز! اس نورانی جوہر کی طرف ایسے جلال کی آنکھ سے نظر پر دلالت کرتا ہے جس میں رحمت اور جمال چھپے ہوئے تھے، اس کے علاوہ نورانی جوہر کے لطیف اور کثیف مادہ میں فرق اور دھویں والے مادہ کے اوپر کی طرف بلند ہو جانے اور کثیف مادہ کے نیچے رہ جانے پر دلالت کرتا ہے یہ سب کچھ چھ دنوں سے پہلے کا معاملہ ہے اور صحیح خبر سے ثابت ہے اور قرآنی آیات کے منافی نہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آسمان اور زمین کا مادۂ بعیدہ ایک ہے عرصے میں پیدا کیا گیا اور یہ مادہء بعیدہ نورانی جوہر یا کوئی اور چیز تھا، اسی طرح ہر مادہ کا دوسرے سے الگ اور منفرد کیا جانا ہے، میری مراد مادہ کو پھاڑا جانا اور لطیف اجزاء جو کہ آسمان کا مادہ قریبہ ہے کا نکالنا اور کثیف اجزاء جو کہ زمین کا مادہ قریبہ ہیں کو باقی رکھتا ہے، لطیف اجزاء کو کثیف اجزاء سے اور کثیف اجزاء کو لطیف اجزاء سے الگ کرنا ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہے، مادہ کے لطیف اور کثیف اجزاء جس شکل میں نظر آتے ہیں ان کا اس شکل میں پیدا کیا جانا ایک زمانے میں نہیں ہے، بلکہ زمانی نکتہ نظر سے آسمانوں کی پیدائش زمین کی

یدائش سے پہلے ہے اور کسی ذی علم وشعور کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ زمین اور اس
ں جو کچھ ہے اس کی پیدائش کو آسمانوں اور جو کچھ ان میں ہے کی پیدائش کے بعد ہونے
یں شک کرے اور جب معاملہ واضح ہو تو اسے صحیح پر محمول کرلیا جاتا ہے، آیت میں لفظ ثم
بر دینے میں ترتیب پر دلالت کرتا ہے، اس گفتگو کے بعد قرآنی آیات اور احادیث میں
کھائی دینے والا تعارض ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے الخ۔

امام قرطبی نے سورۂ بقرہ میں (1/255-256) اہل علم کی آراء پیش کرنے کے
بعد فرمایا: اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین سے پہلے بنایا ہے اور
سورۃ حٰم (السجدہ) میں بھی اسی طرح ہے ایک اور جگہ فرمایا:

أأ نتم أشد خلقا أم السماء بناها۔ (سورہ ءنازعات:27/79)

کیا تمہیں پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا؟ اللہ نے اسے بنایا۔

پھر فرمایا:

والارض بعد ذلك دحاها۔

اس کے بعد زمین پھیلائی گئی۔

اس آیت کے پیش نظر آسمان کی پیدائش زمین سے پہلے ثابت ہوتی ہے، نیز!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الحمدلله الذی خلق السموات والأرض (سورۃ الانعام:1/6)

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں: آسمانوں کو پہلے پیدا کیا گیا، اس قول کو امام طبری نے

روایت کیا، اس کے بعد امام قرطبی فرماتے ہیں: ان شاء اللہ! حضرت قتادہ کا قول درست ثابت ہوگا اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو آسمان کو دھویں سے پیدا فرمایا پھر زمین کو پیدا فرمایا پھر آسمان کا قصد فرمایا اور دھویں کو درست فرمایا، اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔ الخ

امام بدرالدین عینی نے ''عمدۃ القاری'' (15/109) میں فرمایا: اولیت ایک نسبتی امر ہے اور ہر وہ چیز جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ پہلے ہے اس کی اولیت بعد والی چیز کی نسبت سے ہے، علامہ ملا علی قاری نے ''المورد الروی'' (ص44) میں فرمایا: پس معلوم ہوا کہ نور محمدی سب چیزوں سے علی الاطلاق پہلے ہے پھر پانی ہے پھر عرش ہے پھر قلم ہے، حضور نبی اکرم ﷺ کی اولیت مطلقہ ہے اور باقی سب کی اولیت اضافی اور نسبتی ہے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری نے ''مرقاۃ المفاتیح'' (1/166) میں فرمایا: مخلوقات میں سب سے پہلی مخلوق کے بارے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلی مخلوق وہ نور ہے جس سے حضور ﷺ پیدا کیے گئے پھر پانی پھر عرش ہے۔

اور ایسا ہی قول امام قسطلانی اور امام محدث سہل بن عبداللہ دیلمی کا ہے، انہوں نے اپنی کتاب ''عطف الألف المألوف على اللام المعطوف'' میں فرمایا: "اور حضرت آدم علیہ السلام حضور نبی اکرم ﷺ کے نور سے پیدا کیے گئے" اس کی تفصیل ہماری کتاب ''نور البدایات وختم النہایات'' (ص54) میں ملاحظہ فرمائیں۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر (7/231) میں حسن سند کے ساتھ ایسی ہی روایت ذکر کی ہے، حدیث قدسی میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ہے: ھو الأول والآخر

"وہی پہلے اور آخری ہیں" اور اسی طرح مخلص کی روایت ہے: ھو أول و آخر "آپ اول اور آخر ہیں" یہ صحیح روایت ہے جس پر ابن ابی عاصم کی کتاب "الأوائل" کا محقق خوش نہیں ہوا اور اسے ابن ابی عاصم کی روایت نقل کرتے وقت اس کا حوالہ دینے کی توفیق نہیں ہوئی، ابن ابی عاصم کی روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے پردوں میں ایک نور دیکھا تو پوچھا: اے میرے رب یہ کونسا نور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے بیٹے کا نور ہے، الخ۔ ابن عاصم کی اس روایت پر محقق نے کہا: "یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا نور تھا" محقق نے اس مقام پر مخلص کی روایت ذکر نہیں کی اور نہ ہی امام بیہقی کی روایت ذکر کی، حالانکہ سند ایک ہی ہے، اے معترض! تمہارے فرقے کی طرف سے حضور ﷺ کے ساتھ یہ کھلی دشمنی کیوں ہے۔؟

چودہواں اشکال:

معترض کا یہ کہنا کہ: حدیث جابر حدیث "عرق الخیل" جیسی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے: "عرق الخیل" والی حدیث تمہارے ترکش میں سے ہے ہمارے ترکش میں سے نہیں، معترض اور اس کے ہمنوا سجزی اور اس جیسے لوگوں سے "عرق الخیل" والی حدیث کے بارے میں پوچھیں وہ انہیں جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو دائرہ اسلام سے خارج ہونے والے تجسیم کے قائل بدنصیب زندیقوں کی احادیث اور حدیث جابر میں فرق کرو، دونوں حدیثوں کو ایک جیسی قرار دینا عظیم ظلم ہے۔

پندرہواں اشکال:

معترض نے مصنف عبد الرزاق کے ایک حصے کی احادیث کے حوالے سے میری

تخریجات کوطعن وتشنیع کا نشانہ بنایاہے اوراس نے مصنف کے حدیث نور والے حصے کی طباعت کوڈنمارک کے سرکشوں کی طرف سے بارگاہ رسالت میں گستاخی کے ساتھ جوڑا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بد گمانی کو ملاحظہ کرنے والا سخت تعجب کا شکار ہوتاہے،قارئین کرام اس معترض سے پوچھیں مصنف عبدالرزاق کے گمشدہ حصے کی طباعت اورڈنمارک کے سرکشوں کی بدتمیزی میں کیا چیز مشترک ہے؟اسے کوئی علمی جواب نہیں سوجھے گا سوائے اس کے کہ وہ ہمارے عمل کو بیہودہ اور فساد سمجھتا ہوایسے میں راقم اسے اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہی سنا سکتا ہے جورب کریم نے ان کفار کے رد میں ارشاد فرمایا جوسخت انکار کرنے والے تھے اور کائنات کی تخلیق کو بے فائدہ اور بے مقصد سمجھتے تھے،اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

وماخلقنا السمٰوات والأرض وما بینهما لاعبینoوما خلقنا هما إلا بالحق o ولکن اکثر هم لایعلمون (سورة الدخان:44/39-38)

ہم نے آسمانوں اورزمینوں اوران کے درمیان کی مخلوق کوکھیلتے ہوئے پیدانہیں کیا،ہم نے انہیں حق ہی کے ساتھ پیدا کیاہے لیکن ان کے اکثر افرادنہیں جانتے۔

نیز!اللہ تعالیٰ کاایک اورارشادگرامی ہے۔

هذا کتابنا ینطق علیکم با لحق (سورة الجاثیه:45/29)

ہماری یہ کتاب تمہارے بارے میں سچ کہتی ہے۔

قارئین کرام!دیکھیں معترض اپنے علاوہ دیگر مسلمانوں کوکیسے حقارت اوراستہزاء

کے ساتھ دیکھتا ہے؟ نیز! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس قدر جرأت اور بے باکی کا مظاہرہ کرتا ہے، جب ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ ومقام کو نمایاں کرنے اور جو کچھ آپ کی شان میں لکھا گیا ہے اسے تلاش کر کے چھاپنے کی کوشش کی ہے تا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے اور زیادہ محبت کریں اور آپ کی تعظیم وتوقیر کریں تو معترض نے ہماری طرف سے حضور ﷺ کی تعظیم وتوقیر کو انسانیت اور دین کے دشمنوں کے ہاتھوں حضور ﷺ کی توہین کے برابر قرار دے دیا ہے! گویا کہ معترض اپنے مسلمان مخالفین کو کفار اور ملحدوں کے برابر قرار دے رہا ہے اور اس سے ایسی بات کوئی تعجب خیز نہیں کیونکہ کوئی چیز بھی اپنے منبع کے اعتبار سے تعجب خیز نہیں ہوتی، معترض اور اس کے مکتب فکر کے لوگ اپنے علاوہ دیگر مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ سے زیادہ بڑا کافر سمجھتے ہیں چنانچہ عبداللطیف آل شیخ اور الشیخ ابراہیم عبداللطیف آل شیخ (محمد بن عبدالوہاب کی اولاد) نے اپنی کتاب "اجماع اھل السنة النبویة" میں دبئی، ابوظہبی اور ساحل عمان کے باشندوں کو معطلہ اور جہمیہ کا نام دے کر کافر قرار دیا ہے۔

معترض کا یہ طرز عمل اپنی جگہ لیکن اس پر اللہ تعالیٰ کا درج ذیل فرمان صادق آتا ہے:

من یرداللہ فتنتہ فلن تملک لہ من اللہ شیئاo اولئک الذین لم یرداللہ أن یطھر قلوبھم لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیمo (سورۃ المائدہ:41/50)

اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو (اے سننے والے) تو اس کے لئے کسی چیز کا مالک

نہیں (اسے بچا نہیں سکتا) یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

رہا معترض کا میری تخریجات پر اعتراض تو عرض یہ ہے کہ میری تخریجات علم حدیث کے معروف اصولوں پر مبنی ہیں اور ان تخریجات کا انکار فقط جاہل اور احمق ہی کر سکتا ہے جس پر عربی کی ضرب المثل صادق آتی ہو: ليس هذا عشك فادر جي (یہ تمہارا گھونسلا نہیں ہے تو اس میں گھس جا)۔

سولہواں اشکال:

سید ادیب کمدانی کی وہ گواہی جسے معترضین نے میرے خلاف دلیل بنایا ہے۔

تو اس کا جواب کچھ یوں ہے: ادیب کمدانی نے معترضین کا رد کیا ہے اور ہمارے بارے میں معترضین کے باطل گمان کی درج ذیل عنوان سے ایک رسالہ لکھ کر وضاحت کی ہے "براءة الشيخ عيسى بن مانع ومحمود سعيد ممانسب إليهما" (الشیخ عیسی بن مانع اور محمود سعید ممدوح کی طرف منسوب کیے گئے الزامات سے ان کی براءت) اور میں نے یہ مقالہ انٹرنیٹ پر "ملتقى اهل العلم" کی سائیٹ پر نشر کر دیا ہے، قارئین اسے وہاں ملاحظہ فرمالیں اور میں جناب ادیب کمدانی سے امید رکھتا ہوں کہ وہ تمہارے پیچھے سوچے سمجھے بغیر اندھا دھند نہ چلیں اور ہمارے درمیان جو محبت ہے اس کی حفاظت فرمائیں۔

سترہواں اشکال:

معترض کا یہ گمان کہ مخطوطے کو نقل کرنے والا پختہ کار نہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک نسبتی مسئلہ ہے اور اس میں جعلسازی کا کوئی دخل نہیں، بعض اوقات قرآن پاک بھی کسی پختہ کار اور ناپختہ کے ہاتھوں چلا جاتا ہے اور اس کا کاتب کی تحریر کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں کوئی دخل نہیں ہوتا، جناب معترض آپ کا ''الجزء المفقود'' کے کاتب پر یہ کہتے ہوئے تحریف کی تہمت لگانا کہ ''کاتب ناپختہ کار ہے'' واضح ظلم ہے اور ناپسندیدہ جلد بازی ہے، کتاب کا مؤلف، کاتب اور محقق خطا سے معصوم نہیں ہوتے، امام شافعی فرماتے ہیں: میں نے جو بھی کتاب لکھی اس میں کوئی نہ کوئی غلطی پائی تب اس کی اصلاح کر دی، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ''فقط اسی کی کتاب غلطیوں سے پاک ہوگی''۔

اور اگر کتاب کے ناقل اور کتابت کرنے والے سے کوئی غلطی ہو جائے تو ایسا ممکن ہے اور یہ کوئی محال بھی نہیں ہے لیکن ہمیں کتاب اور اس کے مضمون کو مجموعی طور پر لینا چاہیے۔

سولھواں اشکال:

رہا معترض کا غماری حضرات کی طرف سے ولی کامل اور مجدد وقت حضرت محی الدین ابن عربی الحاتمی قدس سرہ کی توثیق پر اعتراض تو اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کا غماری حضرات کی طرف سے شیخ اکبر محی الدین کی توثیق پر اعتراض کوئی حیثیت نہیں رکھتا، ہمارے غماری اساتذہ جلیل القدر علماء ہیں، وہ کوئی بات دلیل کے بغیر نہیں کہتے اور وہ حضرات معترض کی طرح ایسی کوئی بات نہیں کہتے جسے وہ جانتے نہیں۔

قارئین کرام آپ کو علم ہوگا کہ شیخِ اکبر محی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بالا ہیں کہ انہیں جرح وتعدیل کے مقام پر ذکر کیا جائے کیونکہ وہ بہت بلند مرتبہ شخصیت اور علمی شہرت کے مالک ہیں اور اہل تحقیق کا آپ کے بلند مرتبہ اور راسخ قدم ہونے پر اجماع ہے اور آپ یہ بات اہل علم کے اقوال کی روشنی میں جان لیں گے اور میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ معترض اور اس کے ہم خیال لوگوں کو میزان اعتدال میں امام ذہبی اور امام ابن حجر عسقلانی کے اس طرز عمل کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ ان دونوں نے امام اکبر شیخ محی الدین وغیرہ کو ایسے لوگوں میں شمار کیا ہے جو اہل روایت میں سے نہیں ہیں اور ان دونوں نے اپنی کتابیں اہل روایت کے لئے لکھی ہیں جیسا کہ ''میزان الاعتدال'' کے مقدمہ میں تحریر ہے، امام سبکی نے امام ذہبی اور امام ابن حجر کے طرز عمل کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ہمارے استاذ خاتمۃ المحققین علامہ عبدالعزیز بن الصدیق بھی اپنی کتاب ''السوانح'' (خ ل 495ب) میں امام سبکی کی راہ پر چلے ہیں، قارئین کرام آپ عنقریب امام ذہبی اور امام ابن حجر کی مذکورہ بالا رائے سے ہٹ کر ان دونوں کی ایک رائے ان کی مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

امام ذہبی نے اپنی کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں شیخ محی الدین ابن العربی کے حالات میں آپ پر جرح کرتے ہوئے عزالدین بن عبدالسلام کا وہ قول نقل کیا جسے انہوں نے ابن دقیق العید سے روایت کیا۔

یہ کلام درستی سے خالی اور مردود ہے اور یہ قول اہل تحقیق کے مطابق درست نہیں بلکہ عزالدین بن عبدالسلام کا شیخ اکبر کی تعریف میں رطب اللسان ہونا درست ہے اور اس

بات کا ''العقد الثمین'' ''نفح الطیب ''اور''شذرات الذهب '' کی امام کے مقالے سے متعلق عبارات سے پتہ چلتا ہے۔

اس سلسلے میں اہل علم کے اقوال پیش خدمت ہیں:

(1) امام ذہبی نے شیخ اکبر شیخ ابن العربی کی توثیق اور تائید ان الفاظ میں کی ہے: میری ان کے بارے میں رائے یہ ہے کہ ان کا ایسے اولیاء اللہ میں سے ہونا ممکن ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت نے موت کے وقت اپنی طرف کھینچ لیا ہو اور ان کا خاتمہ بالخیر ہوا ہو۔ (المیزان :3/ 660)

(2) امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ''تاریخ اسلام'' کے چونسٹھویں طبقہ میں ذکر ہوا (ص:359-358) جس کی عبارت کچھ یوں ہے: ابن العربی کو کلام میں بہت وسعت، ذہانت، قوت حافظہ اور تصوف میں بہت گہرائی عطا ہوئی اور تصوف میں ان کی بہت سی تالیفات ہیں، اگر ان کے کلام اور شاعری میں شطحات نہ ہوتے تو آپ کی بات پر سب کا اجماع ہوتا۔

(3) قارئین کرام آپ دیکھیں گے کہ حافظ ابن حجر نے بھی ''لسان المیزان '' کی عبارت میں شیخ اکبر شیخ ابن العربی کی توثیق کی ہے، آپ نے شیخ اکبر کے حالات درج ذیل عبارت کے ساتھ ختم کئے: ''مختصر یہ کہ آپ عظیم الشان شخصیت اور قوم کے سرداروں میں سے تھے، آپ اسماء اور حروف کے علم میں پوری دسترس رکھتے تھے اور ان دونوں علوم میں آپ کی عجیب وغریب نگارشات اور عجیب اجتہادی آراء ہیں۔ (دیکھیں: اللسان 6: 45)

قارئین کرام آپ کو معلوم ہوگا کہ شیخِ اکبر کی تعظیم وتوصیف کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں درج ذیل حفاظ بھی ہیں: منذری، ابن الابار، ابن النجار اور ابن مسدی، صلاح الدین علائی، ابن نقطہ، ابن زملکانی، یافعی، ابن العدیم، سبط الجوزی، صلاح الدین صفدی، سعد الدین حموی، ابن حجر ہیتمی (فتاوی حدیثیہ: ص 335 میں) اور دیگر بہت سے اہل علم ہیں۔

یہ بات تحقیق سے ثابت ہوگئی ہے کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام بھی شیخِ اکبر کی تعظیم وتوقیر کرنے والوں میں سے ہیں، جیسے کہ شیخ اکبر کے بارے میں اہل علم کے ان اقوال سے ثابت ہوتا ہے جو حافظ جلال الدین سیوطی شافعی شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالے: ''تنبیہ الغبی علی تنزیہ ابن عربی ''(ابن عربی کی براءت پر نا سمجھ کو تنبیہ) اور قاضی القضاۃ شیخ الاسلام مجد الدین محمد بن یعقوب بن محمد شیرازی، فیروز آبادی صدیقی (القاموس کے مصنف) نے اپنی تصنیف: ''الاغتباط بمعالجۃ ابن الخیاط ''(ابن خیاط کی اصلاح پر خوشی کا اظہار) آپ نے یہ کتاب سیدی الشیخ محی الدین ابن عربی طائی قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف منسوب کتابوں کے بارے میں کیے گئے درج ذیل سوال کے جواب میں تحریر فرمائی۔

علماءِ دین، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو جمعیت اور دین کو تقویت عطا فرمائے شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف منسوب کتابوں ''فتوحات مکیہ'' اور ''فصوص الحکم'' کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کیا ان کتابوں کا پڑھنا پڑھانا اور مطالعہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں اجر وثواب والا فتوی اور جواب دیجئے تا کہ آپ اللہ کریم سے

بہترین ثواب حاصل کر سکیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

اس سوال کے جواب میں علامہ فیروز آبادی نے درج ذیل کلمات تحریر فرمائے۔

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اے اللہ! ہمیں وہ بات کہنے کی توفیق عطا فرما جس میں تیری رضا ہو، حضرت شیخ اکبر کے بارے میں میری رائے جس کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہوں یہ ہے کہ آپ اپنے حال اور علم کے اعتبار سے پیر طریقت، واقعی امام حقیقت اور معارف کو اپنے عمل اور نام کے اعتبار سے زندہ کرنے والے تھے۔

إذَا تَغَلْغَلَ فِكْرُ الْمَرْءِ فِيْ طَرَفٍ   مِنْ بَحْرِهٖ غَرِقَتْ فِيْهِ خَوَاطِرُهٗ

جب آدمی کی سوچ اس ہستی کے سمندر کے ایک کنارے میں غوطہ لگائے گی تو اس کے خیالات اس میں ڈوب جائیں گے۔

وہ پانی ایسا عظیم ذخیرہ ہے جسے ڈول گدلا نہیں کر سکتے، وہ ایسا بادل ہے جو بارشوں کے برسانے سے قاصر نہیں ہے، ان کی دعائیں ساتوں آسمانوں کو طے کر جاتی تھیں، ان کی برکتیں پھیلتی تھیں اور پورے جہان کو بھر لیتی تھیں، میں ان کا وصف بیان کر رہا ہوں اور وہ یقیناً میرے بیان سے کہیں اونچے ہیں اور جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ زبان سے بھی کہتا ہوں اور میرا غالب گمان یہ ہے کہ میں نے ان سے انصاف نہیں کیا۔

وَمَا عَلَّی إِذَامَا قُلْتُ مُعْتَقِدِی   دَعِ الْجَهُوْلَ یَظُنُّ الْجَهْلَ عُدْوَانَا

وَاللّٰهِ تَا للّٰهِ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَمَنْ   اَقَامَهٗ حُجَّةً لِلّٰهِ بُرْهَانَا

اِنَّ الَّذِیْ قُلْتُ بَعْضٌ مِنْ مَّنَاقِبِهٖ   مَازِدْتُ اِلَّا لَعَلِّیْ زِدتُّ نُقْصَانَا

❁......جب میں اپنا عقیدہ بیان کروں تو اس کا مجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے، جاہل کو چھوڑ دے کہ وہ جہالت کو دشمن گمان کرتا ہے۔

❁......اللہ کی قسم! خالق یکتا کی قسم! رب عظیم کی قسم! اور اس ذات اقدس کے خالق و مالک کی قسم! جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت اور دلیل بنایا۔

❁......جو کچھ میں نے کہا ہے وہ شیخ کے کچھ فضائل و مناقب ہیں غالباً میں نے ان کے فضائل و مناقب میں کچھ اضافہ نہیں کیا بلکہ کچھ کمی ہی کی ہے۔

جہاں تک ان کی تصانیف کا تعلق ہے تو وہ ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہیں جن کے موتیوں اور کثرت کی بنا پر نہ تو ان کا پہلا کنارہ معلوم ہوتا ہے اور نہ آخری کنارہ مصنفین نے ایسی کتابیں تصنیف نہیں کیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا مرتبہ جاننے کے لئے ان لوگوں کو مخصوص کیا ہے جو اس علم کے اہل ہیں۔

ان کی کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ جو شخص انہیں مسلسل دیکھتا اور ان کا مطالعہ کرتا رہے، ان کے مطالب میں غور کرتا رہے، اس کا سینہ، مشکلات کے حل اور دشواریوں کو دور کرنے کے لئے کھل جاتا ہے، اور یہ مقام صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ لدنی اور ربانی علوم کے لئے مخصوص فرمالیتا ہے۔

شیخ اکبر نے بادشاہ معظم کے لئے جو اجازت تحریر کی تھی وہ میں نے دیکھی ہے، اس کے آخر میں لکھا ہے کہ میں نے اسے اجازت دی کہ وہ مجھ سے میری تصانیف کی روایت کرے، ان میں سے فلاں فلاں کتابیں ہیں، یہاں تک کہ چار سو سے زیادہ تصانیف گنوائیں، ان میں سے ایک تفسیر کبیر ہے، جس میں وہ سورۂ کہف کی اس آیت وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْماً (ہم نے انہیں اپنی جناب سے علم عطا کیا تھا) تک پہنچے تھے اور مکمل کئے بغیر دنیا سے رحلت فرما گئے۔

یہ تفسیر عظیم کتاب ہے، ہر جلد بحر بے کراں ہے اور اس میں کوئی عجیب بات بھی نہیں ہے کیونکہ وہ ولایت عظمٰی اور صدیقیت کبرٰی کے مقام پر فائز تھے، یہی ہمارا عقیدہ ہے اور ہم اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ (نفح الطیب 2/ 176-177 شذرات الذهب7/ 331)

اس کی تفصیل بیان کی جائے تو گفتگو طویل ہو جائے گی اور ہم مقام اختصار سے نکل جائیں گے، مختصر یہ کہ وہ ہمارے نزدیک ثقہ ہیں اور جس نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے وہ اس کی ذاتی رائے ہے، اللہ تعالیٰ اس کے معاملے کو اپنی نگرانی میں لے، وہ ہمارے مشائخ اور ہماری نظر میں ثقہ ہیں، بے شک وہ ظاہر حجت اور روشن آیت تھے، پھر اگر کوئی شخص اپنی رائے سے ان پر جرح کرتا ہے تو ہم اصل کا اعتبار کریں گے، ان کے علوم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر الگ ہے، ان دو باتوں کے ساتھ ہم ان ائمہ کی گواہیوں کو شامل کرتے ہیں جو شیخِ اکبر کا احترام کرتے ہیں اور ان میں بہت سے حفاظ اور فقہاء ہیں، ہم اس

نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ نہ صرف باوثوق شخصیت ہیں بلکہ ان کا مقام اس بات سے بلند ہے کہ ان کی توثیق کی جائے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ وہ اہم اعتراضات تھے جو مخالفین نے اٹھائے تھے اور میں نے کسی تکلف کے بغیر ان کا جواب دے دیا ہے۔

اب ہر محقق اور حقیقت کے طلب گار کو اختیار ہے کہ میں نے مصنف عبدالرزاق کا جو حصہ طبع کیا ہے اس پر وہ مطمئن ہے اور وہ اس کی تائید کرتا ہے تو اس کی مرضی اور جو شخص اس کی مخالفت کرتا ہے تو یہ اس کی رائے ہے، میں کسی شخص کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ جس چیز کو میں درست سمجھتا ہوں وہ بھی اسے ضرور صحیح تسلیم کرے اگرچہ اس کے نزدیک وہ درست نہ ہی ہو۔

گفتگو کے ختم کرنے سے پہلے میں اس بات کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے حق وصواب کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور ہر کوشش کرنے والے کو ایک حصہ ملتا ہے، اگر اس نے اجتہاد کیا اور خطا کی تو اسے ایک ثواب ملے گا اور جس نے اجتہاد کیا اور صواب کو پالیا تو اس کے لئے دو ثواب ہیں۔

اللہ بلند و برتر قادر وقیوم کی بارگاہ میں میری دعا ہے کہ ہمیں حق وصواب تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے، یہ بھی عرض کر دوں کہ میں ''جزءِ مفقود'' کے دوسرے گم شدہ حصوں تک پہنچنے کے لئے بھی بھرپور کوشش کر رہا ہوں اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مجھے اس سلسلے میں کامیابی حاصل ہوگی۔

قارئین کرام! یہ نسخہ جو میں نے پیش کیا ہے اس کی ضرورت تھی اور اسلامی

لائبریریوں کے لئے یہ سرمائے کی حیثیت رکھتا ہے، میرے نزدیک اس کی حیثیت اس حدیث ضعیف والی ہے جب کسی باب میں اس کے علاوہ حدیث دستیاب نہ ہو، جیسے کہ ہم نے مقدمے میں بیان کیا ہے، معترضین نے غور وفکر اور تامل کے بغیر جلد بازی کرتے ہوئے جو اسے موضوع اور جعلی قرار دیا ہے اب تک یہ بات میرے نزدیک ثابت نہیں ہو سکی، یہ ان مسائل میں سے ہے جن کا انکار محض ظن وتخمین کی بنیاد پر نہیں کر دینا چاہیے بلکہ یاد کرنے والا شخص اس شخص پر حجت ہے جس نے یاد نہیں رکھا ظنی مباحث اور مسائل میں کافر، گمراہ، بدعتی اور جھوٹا قرار دینے میں جلد بازی کرنا ظلم عظیم ہے۔

قارئین کرام! میں نے آپ کے سامنے واضح کر دیا ہے کہ معترض نے اعتراضات کی گرد اڑانے میں لا حاصل سعی کی ہے، اگر میرے نزدیک علمی طریقے سے ثابت ہو جاتا کہ جزء مفقود جس کی میں نے تحقیق کی ہے اس کی نسبت امام عبدالرزاق کی طرف صحیح نہیں ہے تو میں سب سے پہلے اس سے براءت کا اعلان کرتا۔

اس جواب کے لکھنے سے میرا مقصد محاذ آرائی، جھگڑا اور طعن وتشنیع نہیں ہے، دشمنی اور عداوت کا بکھیرنا بھی مقصد نہیں ہے، میرا مقصد اپنی استطاعت کے مطابق صرف اصلاح ہے، اللہ بلند وبرتر ہی مجھے توفیق دینے والا ہے، وہی میرے لئے کافی اور بہترین مددگار ہے۔

میں ہر اس شخص کا شکریہ ادا کروں گا جو علمی تنقید کرے اور مجھے فوائد سے نوازے، ہم میں سے ہر ایک حق کا طالب ہے اور حقیقت کا متلاشی ہے اور میں اس گالی گلوچ، سینہ زوری اور جمود پسندی کو پس پشت ڈال دوں گا جسے ابن رجب حنبلی نے "وثنية فكرية" (فکری بت پرستی) قرار دیا ہے۔

گفتگو کے نتائج کا خلاصہ:

(1) رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جھوٹ بولنا عظیم ترین گناہوں میں سے ہے علماء نے بیان کیا ہے کہ جس چیز کی تھوڑی بہت صحت کی گنجائش ہو اس کی نفی کر دینا حرام ہے، اسی طرح جس چیز میں تھوڑا سا جھوٹ بھی ہو اسے صحیح قرار دینا بھی حرام ہے، اس لئے میرے لئے یا کسی بھی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جھوٹ بولے، اسی طرح قاعدہ تو یہ ہے کہ: ''ہمارا موقف صحیح ہے اس میں خطا کا احتمال ہے اور دوسرے شخص کا موقف خطا ہے اس میں درستی کا احتمال ہے'' معترض کے لئے جائز نہیں کہ اس قاعدے کو چھوڑ دے، احتیاط کو بھی خیر باد کہہ دے اور محض اپنے عقیدے کی حمایت کے لئے اپنے بھائیوں پر بڑے بڑے فتوے لگائے۔

(2) معترض نے مجھ پر اور ڈاکٹر محمود سعید ممدوح پر یہ تہمت لگائی ہے کہ ہم نے ''جزء مفقود'' جعلی طور پر تیار کی ہے حالانکہ یہ بات باطل ہے، ہمیں کمزور ایمان والے شخص سے بھی ایسی بات کی توقع نہیں تھی، چہ جائیکہ جسے حدیث شریف کے عالم ہونے کا دعوی ہو، پھر معترض نے خود اپنی ہی مخالفت کرتے ہوئے ہم سے جعل سازی کی نفی کر دی حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ جیسے ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ نسخہ افغانستان سے ہمارے پاس لایا گیا، ہم نے اسے منظر عام پر لانے کی کوشش کی تو یہ صرف علم کا اظہار تھا اور اسلامی لائبریریوں کو ''جزء مفقود'' کی احادیث کی ضرورت تھی۔

(3) علمی معیاروں کے مطابق ''جزء مفقود'' کی نسبت کو ثابت کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نادر نسخے کی نسبت ثابت کی جائے اور ہمارے علمی ورثے میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور جیسے کہ میں نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے کہ میرے نزدیک اس کی حیثیت وہ ہے جو اس حدیث ضعیف کی ہے جب کسی باب میں اس کے علاوہ کوئی حدیث

نہ پائی جائے، قارئین اس میں سے جس حصے پر مطمئن ہوں اسے لے لیں اور جس سے مطمئن نہ ہوں اسے چھوڑ دیں۔

(4) اگر میرے نزدیک علمی پیمانوں کے مطابق اس نسخے کا نا قابل اعتبار ہونا ثابت ہو جاتا تو میں ایک لمحے کے لئے بھی اس حقیقت کے بیان کرنے میں تردد سے کام نہ لیتا، اس لئے کہ سند دین کی ایک اہم کڑی اور علم یقین کا نام ہے۔

(5) معترض نے جتنے اعتراضات کا غبار اڑایا ہے سب محل نظر و تاویل ہیں، جیسے کہ میں نے اس سے پہلے بیان کیا، ان سے ہمارے تحقیق شدہ نسخے کا درجۂ اعتبار سے ساقط ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اسے مردود قرار دینے کا قول اسے ثابت کرنے کے قول سے کم خطرناک نہیں، ثابت کرنا راجح ہے، کیونکہ نفی کے پلڑے میں رد کے شواہد موجود نہیں ہیں۔

(6) میں نے اپنی تحقیق میں ''جزءِ مفقود'' کے محققہ نسخے میں اس سند کی طرف توجہ نہیں کی جس کی ائمہ نے اپنی کتابوں میں تخریج کی ہے، یہ ایسی شرط ہے جس کی طرف میں نے تحقیق کے مقدمے میں اشارہ کیا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ میں نے جو شرط تحریر کردی ہے معترض اس سے تجاہل کا رویہ کیوں اختیار کرتا ہے؟ اور تنقید کے اصولوں کی پابندی کئے بغیر مسئلے کو ہوا بنا کر کیوں پیش کرتا ہے؟ یہ ایسا مسئلہ ہے جس سے ایک نقاد تو کیا ایک طالب علم بھی بے خبر نہیں ہوسکتا۔

(7) میں اپنے معترض کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اہل علم کے لہجے میں بات کرنے کی بجائے گالی گلوچ سے کام نہ لے کیونکہ مومن مومن کا بھائی ہے نہ تو وہ اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے ظالم کے سپرد کرتا ہے اور میری اس سے گذارش ہے کہ اگر اسے محسوس ہوا ہو کہ اس کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بعض عبارات میں شدت آ گئی ہے تو وہ عفو و درگذر سے کام لے، میرا مقصد معترض کی اہانت کرنا نہیں تھا لیکن بعض مقامات پر سختی کی ضرورت تھی۔

(8) میں قارئین سے امید کرتا ہوں کہ اگر انہیں (مصنف کے نو دریافت مخطوطے کے) مطبوعہ نسخے میں غلطیاں ملی ہوں یا بعض عبارات کی مزید تحقیق باقی ہو تو وہ مجھے معاف فرمائیں گے اور ایسا میری مصروفیات اور بشریت کے باعث ہوا، کیونکہ انسان غلطی کے معاملے میں معصوم نہیں، اسی بناء پر ہماری تحقیق کے ساتھ طبع ہونے والے نسخے میں کچھ کوتاہیاں رہ گئی تھیں، ہم نے اس مطبوعہ نسخے کے ساتھ غلطیوں اور ان کی درستی کی فہرست شامل کردی ہے، قارئین کرام انتظار فرمائیں۔

(9) معترضین نے شدت کے ساتھ جن خیالات کا اظہار کیا میں اس پر ان کا شکر گزار ہوں، کیونکہ انہوں نے مجھے بحث اور تحقیق پر مجبور کیا، یوں میں نے تحقیق اور جستجو کی غرض سے کئی دن کتابوں کے درمیان گزارے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حدیث رسول ﷺ کا دفاع کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ ہی بھلائی کی توفیق بخشنے والا ہے۔

(10) ہم نے اس ملک کی طرف کچھ عادل لوگوں کو بھیجا ہے جہاں سے مخطوط دستیاب ہوا ہے اور میں نے نسخہ لانے والے سے بذات خود ملاقات کی ہے اور اس سے مخطوطہ کے حصول کے بارے میں اسی کے قلم سے بیان بھی تحریر کروایا ہے (اور یہ بیان الجزء المفقود کے اگلے ایڈیشن کے ساتھ شائع ہوگا اور اس بیان کے ساتھ اس نسخہ کے بارے میں افغان علماء کی آراء پر مشتمل رپورٹ بھی شامل ہوگی) اور میں نے کچھ لوگوں کو نسخہ کے بارے میں مزید تحقیق کے لئے افغانستان بھیجا ہے اور میں علمی دیانتداری کے نکتہ نظر سے یہ سارے معلومات ویب سائٹ کے ذریعے نشر کروں گا۔

اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں کے معاملات پر خوب اچھی طرح مطلع ہے اور ہمارا آخری دعویٰ یہی ہے کہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

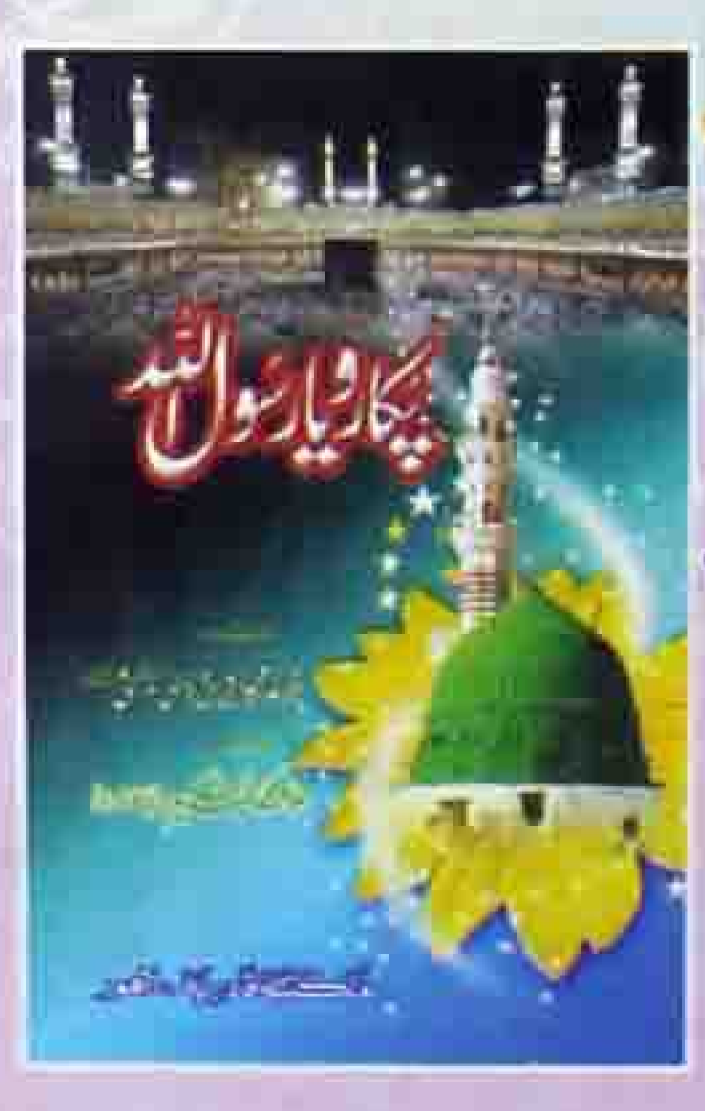
علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

- کیا ہم محفل منعقد کریں؟
- عقائد و معمولات
- اسلامی عقائد
- زندہ جاوید خوشبوئیں
- تعارف فقہ و تصوف

تصانیف

علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

- یادِ اعلیٰحضرت رحمہ اللہ
- مقالاتِ رضویہ
- من عقائد اہل السنۃ
- نور نور چہرے





مکتبہ قادریہ ۔ لاہور